علمی فکری اور نظریاتی جدوجہد کا امین

نقیبِ طلبہ

اسلام آباد

NEWS LETTER

جلد نمبر 16 | نومبر، دسمبر 2023 | شمارہ نمبر 6

نقوشِ صحابہ رضی اللہ عنہم

فلسطین لھو لھو

قمر الزمان چوہدری رحمۃ اللہ علیہ

حیات و خدمات

حضرت شیخ الہندؒ کے مالٹا میں گزرے لمحات

فہرست مضامین

	عنوان	مضمون نگار	صفحہ
1	درس قرآن وحدیث	ادارہ	1
2	لہولہو فلسطین !!	ادارہ	3
3	جرنیل اسلام سیدنا سعد بن ابن وقاص	عبدالرحمن جامی	4
4	حضرت شیخ الہندؒ کے مالٹا میں گزرے ایام	عبدالروف چوہدری	7
5	مسئلہ فلسطین تاریخ، حقائق اور مستقبل	مولانا طارق نعمان گڑنگی	8
6	اب ڈھونڈ انھیں چراغِ رخِ زیبا لے کر	میاں محمود الحسن بالاکوٹی	11
7	قمر تو واقعی قمر تھا	غلام اکبر لاشاری، لاہور	12
8	آج بھی مرقد پر نور برس رہا!	امتیاز احمد تارڑ، لاہور	13
9	زمانے کا چاند	حافظ محمد الیاس علوی	16
10	صحابہ کرامؓ کا مقام ومرتبہ	مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ	18
11	خصوصیاتِ صحابہ علیہم الرضوان	مفتی عبدالرازق کاشمیری	20
12	عالمی یومِ عربی اور ہماری ذمہ داریاں	حکیم شاکر فاروقی	22
13	نظریات کی جنگ	حسن عتیق، میرپور خاص	24
14	علم روشنی ہے	توصیف خالد	25
15	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں عورتوں کا مقام	صغریٰ یامین سحر	27
16	عاجزی ہی بندگی ہے	عبدالمعید زبیر	31
	اور کارواں بنتا گیا	ادارہ	32

سرکولیشن مینیجر عمر فاروق

قیمت فی شمارہ -/60 روپے صرف

naqeebetalaba.isb@gmail.com

+92 311 4233952

@Naqeeb_tulaba

Disigned by: Shakir Online Designing Shop

علمی، فکری اور نظریاتی جدوجہد کا امین

نقیبِ طلبہ اسلام آباد

News Letter

MSO

جلد نمبر 16 | نومبر دسمبر 2023 | شمارہ نمبر 6

ایڈیٹر

عبدالرؤف چوہدری

مجلسِ مشاورت

مولانا جہان یعقوب (ایڈیٹر اخبار المدارس کراچی)

مولانا عبدالقدوس محمدی (مذہبی سکالر)

سمیع ابراہیم (سینئر اینکر پرسن و پریزیڈنٹ بول نیوز)

رانا طاہر محمود (سینئر تجزیہ نگار، سابق ایڈیٹر اے آر وائی)

عبداللہ حمید گل

متین خالد (مصنف و مؤلف)

عبدالستار اعوان (صحافی و کالم نویس)

عظمت علی رحمانی (کالم نگار و صحافی)

خاور چوہدری (کالم نگار)

فیصل جاوید خان (صحافی)

مولانا عبدالرازق

عبدالباسط غفران

مجلسِ ادارت

شہزاد احمد عباسی

دانش مراد

مولانا محمد احمد معاویہ

مفتی تنویر احمد اعوان

قانونی مشیر

ملک مظہر جاوید ایڈووکیٹ (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

نیاز اللہ خان نیازی (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

درس قرآن

اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، وہ (صرف) آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی کرے، تو وہ انہی میں سے ہے، بے شک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (المائدہ)

درس حدیث

تمام مؤمن ایک آدمی کی مانند ہیں، اگر اس کی آنکھ میں تکلیف ہو تو تمام اعضاء اس کو محسوس کرتے ہیں اور اگر اس کے سر میں تکلیف ہو تو تمام اعضاء اس تکلیف کو محسوس کرتے ہیں۔

(صحیح مسلم)

حمد باری تعالیٰ

سب مراتب ہیں تیری ذات مقدس سے ورے
کس زباں سے کہوں ہے مرتبہ اعلیٰ تیرا

نور خورشید چمکتا ہے ہر ایک ذرہ میں
چشم بینا ہے تو ہر شے میں ہے جلوہ تیرا

بیم دوزخ ہے اُسے اور نہ شوق جنت
جس کو مطلوب ہے اک درد کا ذرہ تیرا

تیرے دیوانوں کو کیا قید علائق سے گزند
دونوں عالم سے بھی آزاد ہے بردا تیرا

ہم سیہ بخت اگر ایسے ہی ناکام رہے
کیسے جانیں گے کہ کیا فضل ہے رہا تیرا

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ

شافع محشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تم یوں ہی سمجھنا کہ فنا میرے لئے ہے
غیب سے سامان بقا میرے لئے ہے

کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف!
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے

اے شافع محشر جو کرے تو نہ شفاعت
پھر کون وہاں تیرے سوا میرے لئے ہے

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

کیوں ایسے نبی پر نہ فدا ہوں کہ جو فرمائے
اچھے تو سبھی کے ہیں برا میرے لئے ہے

مولانا محمد علی جوہرؒ (مدفون در القدس)

اداریہ

فلسطین لہو لہو۔۔۔!!

دل و دماغ حاضر کر کے ذرا ایک لمحے کے لیے سوچیے، آپ اپنے گھر میں مدتوں سے جیسے کیسے زندگی بسر کر رہے ہوں، ایک دن آپ کو خبر ہوتی ہے کہ یہ گھر جو آپ نے جان جوکھوں میں ڈال کر خون پسینے کی کمائی سے بنایا یا خریدا تھا وہ غیر قانونی ہے، کیوں کہ وہ اب کسی دوسرے ملک سے آئے ہوئے یہودی کو دے دیا گیا ہے، تو آپ پر کیا گزرے گی۔۔۔؟ یہ ہے مقبوضہ فلسطینی باشندوں کے طویل المیے کا مختصر خلاصہ۔

ارض مقدس فلسطین جو ایک اسلامی ریاست تھی، سرزمین انبیاء ہونے اور قبلہ اول کے وجود کی وجہ سے مسلمانوں کی محبتوں اور عقیدتوں کا محور و مرکز ہے، ایک مرتبہ پھر لہو لہو ہے۔ فلسطینیوں کی منظم نسل کشی کا سلسلہ ایک بار پھر شروع ہو چکا ہے۔ یہود نا سور جو کئی صدیوں سے در بدر تھے وہ آج اس زمین سے اصل مالکان کو بے گھر کرنے کے درپے ہیں۔ لہو میں بھیگی ارض فلسطین اسلامی ممالک کے بے حس حکمرانوں اور بے بس عوام کو پکار رہی ہے۔۔۔ اہلیان فلسطین آج امت مسلمہ کی راہ تک رہے ہیں۔۔۔۔ قبلہ اول آج پھر کسی عمر کا منتظر ہے۔۔۔۔ چھلنی بدن کے ساتھ بچے اور بوڑھے کسی صلاح الدین ایوبی کی آمد کے لیے آہ و فغاں ہیں۔۔۔۔ بے سہارا مائیں اور بہنیں کسی محمد بن قاسم کی منتظر ہیں۔

ہمارے آقا نے تمام مومنین کو ایک جسم کی مانند قرار دیا تھا۔ جب ہم سب کو یک جان قرار دیا گیا تھا تو بدن کے بعض اعضاء تکلیف میں ہیں لیکن ہم بقیہ اعضاء اس تکلیف اور کرب کو کیوں محسوس نہیں کر رہے۔۔۔؟ آج جبکہ ہمارے بھائی تکلیف میں ہیں اور ان پر انسانیت سوز ظلم جاری ہے تو ہمارا حق بنتا ہے کہ ان کے کندھے سے کندھا ملا کر ان کا سہارا بن جائیں۔ جہاں تک ہمارے بس میں ہے، ہم ان کا ساتھ دیں۔ تین کام ہمارے بس میں ہیں اور ہم ہر لمحہ ہر لحظہ ان کو سرانجام دے سکتے ہیں: جہاں تک ممکن ہو ہم اپنے مظلوم بھائیوں کے لیے آواز اٹھائیں اور اپنے مسلمان بھائیوں کو اس سے آگاہ کریں۔ دوسرے نمبر پر مسبب الاسباب کے سامنے گڑگڑائیں اور اپنے مظلوم بھائیوں کے لیے مدد و نصرت کی دعا کریں اور تیسرے نمبر پر قاتل اسرائیل اور اس کے اتحادیوں کی جتنی تیار شدہ اشیاء ہمارے ملک میں آ رہی ہیں ان کا بائیکاٹ کریں تا کہ ہمارے پیسے سے خریدی گئی اشیاء کا منافع ہمارے بھائیوں کا خون بہانے کے لیے صرف نہ ہو۔

اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو آمین

والسلام

عبدالرؤف چوہدری

ایڈیٹر نقیب طلبہ اسلام آباد

جرنیلِ اسلام سیدنا سعد بن ابن وقاص

رضی اللہ عنہ

عبدالرحمن جامی، چیچہ وطنی

نام ونسب، ولادت:

آپ کا نام سعد اور کنیت ابو اسحاق تھی ،والد کا نام مالک اور کنیت ابووقاص اور والدہ کا نام حمنہ تھا۔سلسلہ نسب یوں ہے: سعد بن مالک بن وہب بن عبد مناف۔ عبد مناف پر جا کر سلسلہ نسب حضور ﷺ کے ساتھ مل جاتا ہے چونکہ حضور ﷺ کی ننہال زہری خاندان میں تھا اس لیے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ رشتہ میں حضور ﷺ کے ماموں تھے اور حضور ﷺ نے خود بھی بارہا اس رشتہ کا اقرار فرمایا۔آپ کی ولادت ہجرت مدینہ سے تقریباً تیس سال پہلے مکہ مکرمہ میں ہوئی۔

قبول اسلام:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا سنِ مبارک صرف انیس (19) سال کا تھا کہ دعوتِ اسلام کی صدائے سامعہ نواز نے توحید کا شیدائی بنا دیا، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر خلعتِ ایمان سے مشرف ہوئے۔اور یہ چھٹے یا ساتویں نمبر پر مسلمان ہوئے۔ اسلام میں پہلا تیر چلانے کا اعزاز آپ کو حاصل ہوا۔آپ کا شمار ان دس خوش نصیبوں میں ہوتا ہے جنہیں رسول خدا ﷺ نے دنیا میں ہی جنت کا سرٹیفکیٹ عطا فرمایا۔

استقامت:

حضرت سعد وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماں نے لڑکے کی تبدیل مذہب کا حال سنا تو نہایت کبیدہ خاطر ہوئیں، بات چیت، کھانا پینا سب چھوڑ بیٹھیں، چونکہ وہ اپنی ماں کے حد درجہ فرماں بردار اور اطاعت شعار تھے، اس لیے یہ سخت آزمائش کا موقع تھا،لیکن جو دل توحید کا لذت آشنا ہو چکا تھا وہ پھر کفر وشرک کی طرف کس طرح رجوع ہو سکتا تھا، ماں مسلسل تین دن تک بے آب ودانہ رہیں، لیکن بیٹے کی جبینِ استقلال پر شکن تک نہ پڑی، خدائے پاک کو یہ شانِ استقامت کچھ ایسی پسند آئی کہ تمام مسلمانوں کے لیے معصیتِ الہیٰ میں والدین کے عدم اطاعت کا ایک قانون عام بنا دیا گیا۔ "وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا"

مکی زندگی:

قبول کرنے کے بعد ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک مکہ مکرمہ میں، ہی مقیم رہے گو یہ سرزمین عام مسلمانوں کی طرح ان کے لیے بھی مصائب وشدائد سے خالی نہ تھی، تاہم استقلال کے ساتھ ہر قسم کی سختیاں جھیلتے رہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کفار کے خوف سے عموماً مکہ مکرمہ کی ویران وسنسان گھاٹیوں میں چھپ کر معبود حقیقی کی پرستش وعبادت فرمایا کرتے تھے،ایک دفعہ ایک گھاٹی میں چند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے ساتھ مصروف عبادت تھے، اتفاق سے کفار کی ایک جماعت اس طرف آنکلی، اور اسلام کا مذاق اُڑانے لگے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس بے بسی کی زندگی میں بھی جوش آ گیا اور اونٹ کی ہڈی اٹھا کر اس زور سے ماری کہ ایک مشرک کا سر پھٹ گیا، بیان کیا جاتا ہے کہ اسلام کی حمایت میں یہ پہلی خونریزی تھی جو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے عمل میں آئی۔

ہجرت مدینہ:

مکہ میں جب کفار کے ظلم وستم سے مسلمانوں کا پیمانہ صبر وتحمل لبریز ہوگیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو ہجرتِ مدینہ کا حکم دیا، اس حکم عام کی بنا پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ کی راہ لی اور اپنے بھائی عتبہ بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے مکان میں فروکش ہوئے۔

غزوہ احد:

3ھ میں غزوہ اُحد کا معرکہ پیش آیا، اس جنگ میں تیر اندازوں کی غفلت سے اتفاقاً مسلمانوں کی فتح شکست سے مبدل ہوگئی اور ناگہانی حملہ کے بعد باعث اکثر غازیوں کے پاؤں اکھڑ گئے لیکن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان ثابت قدم اصحاب رضوان اللہ علیہم کی صف میں تھے، جن کے پائے استقلال کو اخیر وقت تک لغزش نہ ہوئی، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے اس لیے جب کفار کا نرغہ ہوا تو آنحضرت ﷺ ان کو اپنے ترکش سے تیر دیتے جاتے اور فرماتے: یا سعد ارم فداک امی وابی یعنی اے سعد! تیر چلا میرے باپ ماں تجھ پر فدا ہوں۔

متفرق غزوات:

غزوہ احد سے فتح مکہ تک جس قدر معرکے پیش آئے، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہادری وجانثاری کے ساتھ سب میں پیش پیش رہے، پھر فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین میں اسی فدویت جان نثاری اور ثبات و پامردی کا کارنامہ پیش کیا، جس کا اظہار غزوہ احد میں کرچکے تھے۔ غزوہ احد، طائف اور تبوک کی فوج کشی میں بھی شریک تھے، پھر 10ھ میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کا قصد فرمایا تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمرکاب تھے، لیکن مکہ پہنچ کر سخت علیل ہوگئے، یہاں تک کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لیے تشریف لائے تو زندگی سے مایوس ہو کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مالدار آدمی ہوں؛ لیکن ایک لڑکی کے سوا کوئی وارث نہیں ہے، اس لیے اگر اجازت ہو تو اپنا دو ثلث مال کار خیر میں لگا دوں؟ ارشاد ہوا] نہیں پھر عرض کیا'' دو ثلث نہیں تو نصف سہی حکم ہوا نہیں صرف ایک ثلث اور یہ بھی بہت ہے تم اپنے وارثوں کو مالدار و تونگر چھوڑ کر جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے دستِ سوال نہ پھیلاتے پھیریں، تم جو کچھ بھی خدا کی رضا جوئی کے لیے صرف کرو گے اس کا اجر ملے گا، یہاں تک کہ اپنی بیوی کے منہ میں جو لقمہ ڈالتے ہو اس کا بھی ثواب پاؤ گے۔

ایک مبارک پیشن گوئی:

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ سے اس قدر محبت ہوگئی تھی کہ مکہ میں مرنا بھی پسند نہ تھا، بیماری جس قدر طول کھینچتی جاتی تھی اس قدر ان کی بے قراری بڑھتی جاتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشکبار دیکھ کر پوچھا، روتے کیوں ہو؟ ''عرض کیا'' معلوم ہوتا ہے کہ اسی سر زمین کی خاک نصیب ہوگی، جس کو خدا اور رسول کی محبت ہمیشہ کے لیے ترک کر چکا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تشفی دیتے ہوئے ان کو قلب پر ہاتھ رکھ کر تین دفعہ دعا فرمائی: اللھم اشف سعداً اللھم اشف سعد۔ اے خدا سعدؓ کو صحت عطا کر، سعد کو صحت عطا کر رسول اللہ ﷺ کے دہن مبارک سے جو الفاظ نکلے تھے وہ اس مریض بستر مرگ کے لیے آب حیات ثابت ہوئے یعنی دعا مقبول ہوئی اور وہ صحیح و تندرست ہوئے ساتھ ہی یہ بشارت سنائی کہ اے سعدؓ تم اس وقت تک نہ مرو گے جب تک تم سے ایک قوم کو نقصان اور دوسری قوم کو نفع نہ پہنچ لے یہ

اے سعدؓ تم اس وقت تک نہ مرو گے جب تک تم سے ایک قوم کو نقصان اور دوسری قوم کو نفع نہ پہنچ لے۔

پیشن گوئی عجمی فتوحات کے ذریعہ پوری ہوئی جن میں عجم قوم نے آپ کے ہاتھوں سے نقصان اور عرب قوم نے فائدہ اٹھایا۔

حضور ﷺ کی دعا:

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے خاص طور پر ان کے لئے یہ دعا فرمائی: ''اَللّٰھُمَّ سَدِّدْ سَھْمَہٗ وَاَجِبْ دَعْوَتَہٗ '' (اے اللہ! عزوجل ان کے تیر کے نشانہ کو درست فرمادے اور ان کی دعا کو مقبول فرما)

خلافت راشدہ کا زمانہ:

خلافت راشدہ کے زمانے میں بھی یہ فارس اور روم کے جہادوں میں سپہ سالار رہے امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ان کو کوفہ کا گورنر مقرر فرمایا پھر اس عہدہ سے معزول کر دیا اور یہ برابر جہادوں میں کفار سے کبھی سپاہی بن کر اور کبھی اسلامی لشکر کے سپہ سالار بن کر لڑتے رہے۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر المؤمنین ہوئے تو انہوں نے دوبارہ انہیں کوفہ کا گورنر بنا دیا۔

وفات

یہ مدینہ منورہ کے قریب مقام ''عقیق'' میں اپنا ایک گھر بنا کر اس میں رہتے تھے اور 55ھ میں جبکہ ان کی عمر شریف 75 پچھتر برس کی تھی اسی مکان کے اندر وفات پائی۔ آپ نے وفات سے پہلے یہ وصیت فرمائی تھی کہ میرے کفن میں میرا اون کا وہ پرانا جبہ ضرور پہنایا جائے جس کو پہن کر میں نے جنگ بدر میں کفار سے جہاد کیا تھا چنانچہ وہ جبہ آپ کے کفن میں شامل کیا گیا۔ لوگ فرط عقیدت سے آپ کے جنازے کو کندھوں پر اٹھا کر مقام ''عقیق'' سے مدینہ منورہ لائے اور حاکم مدینہ مروان بن حکم نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں آپ کی قبر منور بنائی۔ ''عشرہ مبشرہ'' یعنی جنت کی خوشخبری پانے والے دس صحابیوں میں سے یہی سب سے اخیر میں دنیا سے تشریف لے گئے اور ان کے بعد دنیا عشرہ مبشرہ کے ظاہری وجود سے خالی ہو گئی مگر زمانہ ان کی برکات سے ہمیشہ ہمیشہ مستفیض ہوتا رہے گا۔

بقیہ: مسئلہ فلسطین... تاریخ، حقائق اور مستقبل

غلبہ ہوگا اور ایمان اور اہل ایمان فتنوں کے اس دور میں زیادہ تر شام کے علاقوں میں ہی ہونگے۔ فتنوں کے اس زمانے میں اہل اسلام کی مختلف علاقوں میں مختلف جماعتیں اور لشکر ہونگے اس دور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام اور اہل شام کے لشکر کو اختیار کرنے کی ترغیب دلائی کیونکہ اس دور میں ان کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی ہوگی۔ یہ حضرت مہدی اور حضرت عیسی علیہ السلام کا لشکر ہوگا۔ اور آخری وقت زمانہ قرب قیامت میں خلافت اسلامیہ کا مرکز ومحور ارض مقدسہ ہوگی۔ قیامت سے قبل مدینہ منورہ ویران ہوجائے گا اور بیت المقدس آباد ہوگا تو یہ زمانہ بڑی لڑائیوں اور فتنوں کا ہوگا، اس کے بعد دجال کا خروج ہوگا۔ دجال شام اور عراق کے درمیان میں سے نکلے گا۔ دجال کا فتنہ اس امت کا بہت بڑا فتنہ ہے اس سے ہر نبی نے اپنی قوم کو ڈرایا۔ مگر دجال مکہ، مدینہ، بیت المقدس اور کوہ طور میں داخل نہیں ہوسکے گا۔ سیدنا عیسی علیہ السلام کا نزول بھی ان ہی علاقوں دمشق کے مشرق میں سفید مینار کے پاس ہوگا۔ اور وہ دجال کو باب لد کے پاس قتل کریں گے۔ باب لد فلسطین کے علاقے میں بیت المقدس کے قریب ہے، جس پر اسرائیل غاصب نے قبضہ کر رکھا ہے۔ اور اسی طرح فتنہ یاجوج وماجوج کی ہلاکت اور انتہا بھی بیت المقدس کے قریب جبل الخمر کے پاس ہوگی۔ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی کہ جب تک یہودیوں کو صفحہ ہستی سے مٹا نہ دیا جائے، آج پوری دنیا سے یہودی اپنے مقتل اسرائیل میں جمع ہو رہے ہیں، قیامت سے پہلے یہ وقت ضرور آئے گا کہ مسلمان یہودیوں کو چن چن کر قتل کریں گے اور ایک بار پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے قیامت کے قریب حضرت امام مہدی اور حضرت عیسی علیہ السلام کے ظہور کے بعد ایک مومن جماعت کے ہاتھوں بزور شمشیر مسلمانوں کا قبلہ اول بیت المقدس فتح ہوگا۔ بیت المقدس اور فلسطین کے موجودہ حالات سے یہ بات واضح ہے کہ وہ وقت اب قریب ہے، لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قبلہ اول کی حفاظت اور آزادی کیلئے ہمہ وقت تیار رہیں اور اپنی نسلوں کو اسکی تاریخ سے واقف کرواتے ہوئے اسکی بازیابی کیلئے تیار کریں۔

حضرت شیخ الہندؒ کے مالٹا میں گزرے ایام

عبدالرؤف چوہدری

شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کی ذات گرامی سے کون ناواقف ہوگا کہ آپ ہندوستان میں آباد تمام اقوام کے مسلّمہ قائد تھے۔ عموماً ہر قوم کے ذی علم اور مقتدر حضرات کو آپ سے بہت زیادہ ہمدردی تھی اور بہت زیادہ تعظیم سے پیش آتے تھے۔ عید کے ایام میں مسلمانوں کے علاوہ مقتدر جرمن اور آسٹرین بھی ملنے اور مبارک باد دینے آتے اور گل دستے وغیرہ پیش کرتے۔ حضرت شیخ الہندؒ کی صداقت وحقانیت اور تقوی وطہارت نے محبین کو ہی نہیں مسخر کرلیا تھا بلکہ دشمنوں کے دلوں پر بھی سکہ جما لیا تھا۔ آپؒ ہندوستان میں انگریز کے وجود کو ناسور سمجھتے تھے اور اپنی زندگی کے وہ ایام جو سکھ چین اور راحت وآرام میں گزارنے کے تھے، انگریز کے خلاف جہاد میں صرف فرمائے۔

یوں تو آپؒ کی ساری زندگی اخلاص وللّٰہیت، تقوی وطہارت، تعلیم وتربیت، مجاہدوں، دارالعلوم کے انتظام وانصرام، لوگوں کی ظاہری وباطنی اصلاح اور فلاح وبہبود میں گزری لیکن مالٹا کی اسارت گویا حقوق اللہ کی ادائیگی کا بہترین موقع تھا۔ مالٹا میں اسیری فرصت کا سب سے بہتر زمانہ تھا جو ایک عاشق خدا اور محب رسول کو میسر آیا تھا۔ حضرت شیخ نے اس فرصت کو غنیمت سمجھتے ہوئے ایک ایک لمحہ یاد خدا میں وقف کیا۔ روزانہ اوسطاً دس پارے تلاوت کرلیتے تھے۔ تین چار ہزار مرتبہ اسم ذات کا ورد فرماتے۔ دلائل الخیرات اور دیگر اذکار کا معمول بھی بہ دستور جاری رہا۔ ترمذی شریف، مشکوۃ شریف اور جلالین شریف بھی ہمراہ تھی ان کا درس بھی دیتے رہے۔

حضرت شیخ کو ہندوستان کی سردی بھی خوب ستاتی اور اذیت دیتی تھی۔ سردیوں میں دھوپ میں سونے کا معمول تھا بلکہ معمولی گرمیوں کے زمانے میں بھی یہی معمول ہوتا تھا۔ سردیوں میں آگ اور کوئلے سے تاپنے کی عادت تھی۔ روئی کے کپڑے بہت استعمال فرماتے تھے۔ گھٹنوں میں اکثر درد رہتا۔ سردیوں میں ہاتھ اور پاؤں ورم کر جاتے تھے۔ ایک طرف یہ عالم تھا تو دوسری جانب مالٹا کی یخ بستہ سردی کسی آزمائش سے کم نہ تھی۔ لیکن قربان جائیں حضرت شیخ کی ہمت واستقلال پر کہ اتنی شدید سردی میں بھی شب بیداری میں سستی نہ آنے دی۔ جب نوجوانوں کے لیے لحاف سے منہ نکالنا بھی مشکل ہوتا یہ شیخ وقت رات ڈیڑھ بجے بیدار ہوتا استنجا اور وضو کرتا اور اپنے خالق حقیقی کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جاتا۔ اور پھر پیشاب کا عارضہ بھی تھا، بار بار وضو کرنا پڑتا مگر مجال ہے کبھی بھی اس کی پرواہ کی ہو۔

مالٹا کی تکلیف دہ اور بامشقت اسارت تقریباً چار سال پر محیط تھی۔ لیکن یہ اسیری اس بوڑھے شجر کی جڑوں کو کمزور اور ارادوں کو مضمحل نہ کرسکی۔ اور بالآخر وہ دن آگیا جس کی بہ ظاہر کوئی امیدیں نہیں تھیں۔ 12 مارچ 1920ء کو آپ کو اپنے رفقاء سمیت سرکاری سیکورٹی میں روانہ کر دیا گیا۔ سیدی بشر اور سویس میں آپ کے قیام کے بعد تین ماہ بعد 07 جون 1920ء آپ کو بمبئی میں چھوڑا گیا تب معلوم ہوا کہ آپ کو رہا کر دیا گیا ہے۔

مسئلہ فلسطین
تاریخ، حقائق اور مستقبل

مولانا محمد طارق نعمان گڑنگی

القدس فلسطین کا شہر اور دارالحکومت ہے۔ یہ یہودیوں، مسیحیوں اور مسلمانوں تینوں کے نزدیک مقدس ہے۔ یہاں مسلمانوں کا قبلہ اول مسجد اقصی اور قبۃ الصخرہ واقع ہیں۔ مکہ مکرمہ سے بیت المقدس کا فاصلہ تقریبا 1300 کلومیٹر ہے۔ شہر 31 درجے 45 دقیقے عرض بلد شمالی اور 35 درجے 13 دقیقے طول بلد مشرقی پر واقع ہے۔ بیت اللحم اور الخلیل اس کے جنوب میں اور رام اللہ شمال میں واقع ہے۔ القدس کو یورپی زبانوں میں یروشلم کہتے ہیں۔ القدس پہاڑیوں پر آباد ہے اور انہی میں سے ایک پہاڑی کا نام کوہِ صیہون ہے جس پر مسجد اقصی اور قبۃ الصخرہ واقع ہیں۔ مسجد اقصی کے اطراف 1600 میٹر لمبی پتھر کی دیوار ہے، اس کے اندر 9 دروازے ہیں، جو (1باب رحمت (2باب حطہ (3باب فیصل (4باب غوانمہ (5باب ناظر (6باب حدید (7باب قطانبین (8باب سلسلہ (9باب مغاربہ کے نام سے موسوم ہیں۔

مسجد اقصیٰ کی بنیاد:

مسجد اقصی کی بنیاد مکہ مکرمہ کی بنیاد ڈالنے کے چالیس سال بعد حضرت سیدنا آدم علیہ السلام یا ان کی اولاد میں سے کسی نے ڈالی۔ پھر اس کی تعمیر حضرت سیدنا سام بن نوح علیہ السلام نے کی۔ عرصہ دراز کے بعد حضرت سیدنا داؤد علیہ السلام نے بیت المقدس کی بنیاد اس مقام پر رکھی جہاں حضرت سیدنا موسی علیہ السلام کا خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ اس عمارت کے پورا ہونے سے قبل حضرت سیدنا داؤد علیہ السلام کی وفات کا وقت آ گیا تو آپ نے اپنے فرزند ارجمند حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام کو اس کی تکمیل کی وصیت فرمائی۔ چنانچہ حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام نے جنوں کی ایک جماعت کے ساتھ مسجد اقصی کو تعمیر کیا۔

سفر معراج اور مسجد اقصیٰ:

بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ اول ہے، ہجرت کے بعد 16 سے 17 ماہ تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس (مسجد اقصی) کی جانب رخ کر کے ہی نماز ادا کرتے تھے پھر تحویل قبلہ کا حکم آنے کے بعد مسلمانوں کا قبلہ خانہ کعبہ ہوگیا۔ مسلمانوں کے نزدیک مسجد حرام اور مسجد نبوی کے بعد تیسرا مقدس ترین مقام مسجد اقصی ہے۔ مقامی مسلمان اسے المسجد الاقصی یا حرم قدسی شریف کہتے ہیں۔ یہ مشرقی یروشلم میں واقع ہے جس پر اسرائیل کا قبضہ ہے۔ یہ یروشلم کی سب سے بڑی مسجد ہے جس میں پانچ ہزار نمازیوں کی گنجائش ہے، جبکہ مسجد کے صحن میں بھی ہزاروں افراد نماز ادا کر سکتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر معراج کے دوران مسجد حرام سے یہاں پہنچے تھے اور بیت المقدس میں تمام انبیاء کی نماز کی امامت کرنے کے بعد براق کے ذریعے سات آسمانوں کے سفر پر روانہ ہوئے۔ قرآن مجید کی سورۃ الاسراء میں اللہ تعالی نے اس مسجد کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے: ''پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصی لے گئی جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے اس لئے کہ ہم اسے اپنی قدرت کے بعض نمونے دکھائیں یقینا اللہ تعالی ہی خوب سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔'' احادیث کے مطابق دنیا میں صرف تین مسجدوں کی جانب سفر کرنا باعث برکت ہے جن میں مسجد حرام، مسجد

نبوی اور مسجد اقصیٰ شامل ہیں۔ مسجد اقصیٰ روئے زمین پر بنائی گئی دوسری مسجد ہے۔ جہاں ایک نماز کا ثواب اڑھائی سو اور بعض روایتوں کے مطابق 25 ہزار ملتا ہے۔

دور فاروقی اور مسجد اقصیٰ کی آزادی:

بیت المقدس انبیاء علیہم السلام کی سرزمین فلسطین میں واقع ہے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو اس وقت اس پر سلطنت روم کے عیسائیوں کا قبضہ تھا اور سلطنت روم اس وقت بہت طاقتور تھا۔ لیکن اسی وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی آزادی کی خوشخبری سنائی اور اس کو قیامت کی نشانیوں میں سے قرار دیا۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت 16ھ مطابق سن 636ء میں بیت المقدس کو یہود ونصاری کے ہاتھوں سے آزاد کرایا تھا۔ اس دور میں بہت سے صحابہ نے تبلیغ اسلام اور اشاعت دین کی خاطر بیت المقدس میں اقامت اختیار کی۔ سن 66ھ اور 86ھ کے درمیان خلیفہ عبدالملک بن مروان نے مسجد اقصیٰ کی تعمیر شروع کرائی اور سن 86ھ اور 96ھ کے درمیان انکے صاحبزادے خلیفہ ولید بن عبدالملک نے اس کی تعمیر مکمل کی اور اس کی تزئین و آرائش کی۔ عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے بھی اس مسجد کی مرمت کرائی۔

صلیبیوں کا بیت المقدس پہ قبضہ:

بیت المقدس کی یہ مقدس سرزمین تقریبا عباسی دور تک مسلمانوں کے ماتحت رہی پھر جیسے جیسے ان میں آپسی اختلاف وانتشار، خانہ جنگی، سیاسی فتنوں اور باطنی تحریکوں کی وجہ سے عباسی حکومت کمزور پڑنے لگی تو گھات میں بیٹھے ہوئے صلیبیوں کو موقع مل گیا۔ اور ادھر فاطمی حکومت نے بھی اپنی حکومت کی مضبوطی اور استحکام اور شام سے سلجوقیوں کے خاتمے کیلئے ان صلیبیوں سے مدد طلب کی اور انہیں کئی طرح کی سہولتیں فراہم کردیں اور بیت المقدس میں آنے جانے کی اجازت دے دی۔ بالآخر ان تمام باتوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے صلیبیوں نے بغاوت کردی اور اپنے فاطمی خلفاء کے ساتھ غداری اور دھوکہ کیا۔ اور القدس پر قبضہ کیلئے اپنی فوج کو تیار کرلیا اور پھر 70 ہزار سے زائد مسلمانوں کو شہید کرتے ہوئے بالآخر 492ھ مطابق سن 1099ء کو صلیبیوں نے بیت المقدس کو مسلمانوں سے چھین لیا۔ اور یروشلم پر اپنی مسیحی حکومت قائم کردی۔ پہلی صلیبی جنگ کے بعد جب عیسائیوں کا بیت المقدس پر قبضہ ہوگیا تو انہوں نے مسجد اقصیٰ میں بہت ردوبدل کیا۔

> افسوس کا مقام ہے کہ بعض نام نہاد مسلم ممالک اپنی ذاتی حقیر مفادات اور اپنی چندروزہ شان وشوکت اور عارضی کرسی کی بقا کی خاطر یا تو ان دشمنان اسلام کی حمایت کررہے ہیں یا خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔

انہوں نے مسجد میں رہنے کے لیے کئی کمرے بنالیے اور اس کا نام معبد سلیمان رکھا، نیز متعدد دیگر عمارتوں کا اضافہ کیا جو بطور جائے ضرورت اور اناج کی کوٹھیوں کے استعمال ہوتی تھیں۔ انہوں نے مسجد کے اندر اور مسجد کے ساتھ ساتھ گرجا بھی بنالیا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی

پھر اسکے بعد سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے قبلہ اول کی آزادی کے لئے تقریبا 16 جنگیں لڑیں۔ اور بالآخر 538ھ مطابق سن 1187ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے پیہم معرکہ آرائیوں کے بعد بیت المقدس کو صلیبیوں سے آزاد کروالیا۔ اور مسجد اقصیٰ کو عیسائیوں کے تمام نشانات سے پاک کیا اور محراب اور مسجد کو دوبارہ تعمیر کیا۔ اس طرح 88 سال بعد بیت المقدس دوبارہ مسلمانوں کے بازیابی میں آ گیا اور ارض مقدسہ سے عیسائی حکومت کا صفایا ہوگیا۔ اس طرح ارض مقدسہ پر تقریبا 761 برس مسلسل مسلمانوں کی سلطنت رہی۔ پھر پہلی جنگ عظیم دسمبر 1917ء

کے دوران میں انگریزوں نے بیت المقدس اور فلسطین پر قبضہ کر کے یہودیوں کو آباد ہونے کی عام اجازت دے دی۔ یہود و نصاریٰ کی سازش کے تحت نومبر 1947ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے دھاندلی سے کام لیتے ہوئے فلسطین عربوں اور یہودیوں میں تقسیم کر دیا۔ یہاں تک کہ 14 مئی 1948ء میں امریکہ، برطانیہ اور فرانس کی سازشوں سے ارض فلسطین کے خطہ میں صیہونی سلطنت قائم کی گئی اور جب 1948 کو یہودیوں نے اسرائیل کے قیام کا اعلان کر دیا، تو پہلی عرب اسرائیل جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ کے نتیجے میں اسرائیلی، فلسطین کے 78 فیصد رقبے پر قابض ہو گئے۔ تاہم مشرقی یروشلم (بیت المقدس) اور غرب اردن کے علاقے اردن کے قبضے میں آ گئے۔ پھر تیسری عرب اسرائیل جنگ جون 1967ء میں اسرائیلیوں نے بقیہ فلسطین اور بیت المقدس پر بھی تسلط جما لیا۔

یہودِ مدینہ نے عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں جو شورشیں اور سازشیں کیں ان سے تاریخ اسلام کا ہر طالب علم آگاہ ہے۔ گزشتہ چودہ صدیوں سے یہود نے مسلمانوں کیخلاف بالخصوص اور دیگر انسانیت کے خلاف بالعموم معاندانہ رویہ اپنا رکھا ہے۔

اور اس طرح سن 1967ء سے بیت المقدس پر یہودیوں نے قبضہ کر لیا اور اب پوری طرح انکے قبضہ میں ہے۔

فتنوں سے امن اور فتح کی بشارت:

اسلام اور ملت اسلامیہ کے خلاف یہودیوں کی دشمنی تاریخ کا ایک مستقل باب ہے۔ یہودِ مدینہ نے عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں جو شورشیں اور سازشیں کیں ان سے تاریخ اسلام کا ہر طالب علم آگاہ ہے۔ گزشتہ چودہ صدیوں سے یہود نے مسلمانوں کیخلاف بالخصوص اور دیگر انسانیت کے خلاف بالعموم معاندانہ رویہ اپنا رکھا ہے۔ بیسویں صدی کے حادثات و سانحات میں سب سے بڑا سانحہ مسئلہ فلسطین ہے۔ یہود و نصاریٰ نے یہ مسئلہ پیدا کر کے گویا اسلام کے دل میں خنجر گھونپ رکھا ہے۔ سن 1948ء میں اسرائیل کے قیام کے بعد یورپ سے آئے ہوئے غاصب یہودیوں نے ہزاروں سال سے فلسطین میں آباد فلسطینیوں کو ان کی زمینوں اور جائیدادوں سے بے دخل کر کے انہیں کیمپوں میں نہایت ابتر حالت میں زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ 21 اگست 1969ء کو ایک آسٹریلوی یہودی ڈینس مائیکل روحان نے قبلہ اول کو آگ لگا دی جس سے مسجد اقصیٰ تین گھنٹے تک آگ کی لپیٹ میں رہی اور جنوب مشرقی جانب عین قبلہ کی طرف کا بڑا حصہ گر پڑا۔ محراب میں موجود منبر بھی نذر آتش ہو گیا جسے سلطان صلاح الدین ایوبی نے فتح بیت المقدس کے بعد نصب کیا تھا۔ دراصل یہودی اس مسجد کو ہیکل سلیمانی کی جگہ تعمیر کردہ عبادت گاہ سمجھتے ہیں اور اسے گرا کر دوبارہ ہیکل سلیمانی تعمیر کرنا چاہتے ہیں حالانکہ وہ کبھی بھی بذریعہ دلیل اس کو ثابت نہیں کر سکے کہ ہیکل سلیمانی یہیں تعمیر تھا۔ گزشتہ نصف صدی سے زائد عرصہ کے دوران اسرائیلی یہودیوں کی جارحانہ کارروائیوں اور جنگوں میں ہزاروں لاکھوں فلسطینی مسلمان شہید، زخمی یا بے گھر ہو چکے ہیں اور لاکھوں افراد مقبوضہ فلسطین کے اندر یا آس پاس کے ملکوں میں کیمپوں کے اندر قابلِ رحم حالت میں زندگی بسر کر رہے ہیں بلکہ غزہ تو مکمل ایک زندان بن چکا ہے۔ اور اقوام متحدہ اور اس کے کرتا دھرتا امریکہ اور یورپ کے ممالک یہودیوں کے سرپرست اور پشتیبان بنے ہوئے ہیں۔

افسوس کا مقام ہے کہ بعض نام نہاد مسلم ممالک اپنی ذاتی حقیر مفادات اور اپنی چند روزہ شان و شوکت اور عارضی کرسی کی بقا کی خاطر یا تو ان دشمنان اسلام کی حمایت کر رہے ہیں یا خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ یہود اور اسکے حواری یاد رکھیں کہ شام جو زمانہ قدیم میں لبنان، فلسطین، اردن اور شام کی سرزمین پر مشتمل تھا، جہاں آج یہ یہود قابض ہیں، احادیث کے مطابق قرب قیامت میں وہاں اسلام کا (بقیہ صفحہ نمبر 6)

اب ڈھونڈ انہیں چراغِ رخِ زیبا لے کر

میاں محمود الحسن بالاکوٹی

غائبانہ تعارف تو ایک عرصے سے تھا۔۔مگر بالمشافہ پہلی ملاقات تھی۔۔۔۔نظریاتی تحریک میں یہ ہمارے عروج کا زمانہ تھا۔۔۔میں اس وقت ایک طلباء تنظیم میں صوبائی ناظم اطلاعات کے طور کام کر رہا تھا یہ ضلعی تربیتی نشست تھی۔۔۔جس میں قمر بھائی بطور مہمان خصوصی مدعو تھے۔۔۔۔ بیان کے بعد تعارفی نشست ہوئی۔۔۔۔قمر بھائی میرے صحافتی پس منظر سے آگاہ تھے۔۔۔اور خود قمر بھائی بھی بہترین ادیب و لکھاری تھے۔۔۔ نظریاتی اور صحافتی رشتے نے قربت مزید بڑھا دی۔۔۔ اس کے بعد ایسی گاڑھی چھنی کہ تادم آخر میں اور قمر بھائی یک جان دو قالب تھے۔۔۔ ہمارا یہ نظریاتی سفر پھولوں کی سیج نہیں کانٹوں کی مالا تھا۔

یہ قدم قدم صعوبتیں یہ سواد کوے جاناں
وہ یہیں سے لوٹ جائے جسے ہو زندگی پیاری

قمر بھائی کی جماعتی زندگی کے دو پہلو ہیں۔۔۔ تنظیمی خدمات اور صحافتی خدمات۔۔۔وہ ہر دو میدان میں صف اول میں شمار ہوتے تھے۔۔۔ ایم ایس او کو بنیاد سے عروج پر پہنچایا۔۔۔تنکے تنکے جمع کر کے آشیاں بنایا۔۔۔ مجھے یاد ہے کہ نظریاتی دوستوں کی تلاش میں قمر بھائی مفتی عمر اعوان مفتی عبدالرزاق سمیت دیگر دوستوں کو کیسی کیسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔۔۔ اداروں میں جا کے دوستوں کو ڈھونڈنا نظم سمجھانا نظم میں جوڑنا اور تعلیمی اداروں کے نظم و ضبط کا خیال رکھتے ہوئے کام لینا اعصاب شکن مرحلہ تھا۔۔۔کبھی اطلاع ملتی کہ فلاں ادارے کے دوستوں کو تربیتی نشست کروانے کی وجہ سے ادارے سے خارج کر دیا گیا ہے۔۔۔۔ پھر کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑے مت پوچھئے۔۔۔خود طالب علم ہوتے ہوئے اپنے ادارے سے بچتے دوسروں کو سنبھالنا کتنا مشکل ہوتا ہے یہ صرف وہی جانتا ہے جو اس امتحان سے گذر رہا ہوتا ہے۔۔۔۔قمر الزمان بھائی جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور کے فاضل تھے۔۔۔۔ جہاں ان کے مخصوص مزاج سے ہٹ کر کسی مذہبی جماعت کے ساتھ چلنا جان جوکھوں پر لانے کے مترادف تھا۔۔۔۔قمر الزمان نے ایسے گھٹن والے ماحول میں نہ صرف اپنے ہاں مضبوط نیٹ ورک قائم کیا بلکہ ایم ایس او کو لاہور

قمر بھائی محنت و مشقت کا استعارہ تھے۔۔۔کاروباری صحافتی گھریلو اور تنظیمی ذمے داریوں کے باوجود پڑھائی بھی جاری رکھے ہوئے تھے۔۔۔۔سنٹرل پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم فل کی ڈگری امتیازی نمبروں کے ساتھ حاصل کی۔۔

ڈویژن کی مضبوط ترین طلباء تنظیم بنایا۔۔۔۔جمعرات جمعہ مشن اور نظریے کی آبیاری کے لئے وقف تھا۔۔۔قمر بھائی محنت ومشقت کا استعارہ تھے۔۔۔کاروباری صحافتی گھریلو اور تنظیمی ذمے داریوں کے باوجود پڑھائی بھی جاری رکھے ہوئے تھے۔۔۔۔سنٹرل پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم فل کی ڈگری امتیازی نمبروں کے ساتھ حاصل کی۔۔۔۔روزنامہ اسلام لاہور میں میری تعیناتی بھی قمر الزمان بھائی کے توسط سے ہوئی تھی۔۔۔روزنامہ اسلام کی انتظامیہ آج بھی بطور سب ایڈیٹر ہماری جوڑی کی خدمات کی معترف ہے۔۔۔۔اسی دوران ہم تنظیمی لٹریچر بھی تیار کرتے۔۔۔۔

قمر بھائی اس حوالے سے اکثر فکر مندر رہا کرتے تھے کہ ہمارا مد مقابل اپنے ہم ذہن طلباء کو ہر ممکن مالی امداد فراہم کرتا ہے۔۔۔انھیں اعلیٰ انتظامی عہدوں پر پہنچانے کے لئے تمام وسائل بروئے کار لاتا ہے۔۔۔مگر اہل حق کے ہاں ایسی کوئی منظم کوشش نہیں ہورہی۔۔۔۔میں قمر بھائی کے نظریاتی شاگردوں اور دوستوں سے ملتمس ہوں کہ اس حوالے سے کوئی منظم پلیٹ فارم تشکیل دیں۔۔۔جو مضبوط نظریاتی کارکنوں کو سی ایس ایس اور پی سی ایس کے امتحانات کی باقاعدہ تیاری کروائیں۔۔۔کامیابی کی صورت میں ان کی تعیناتی میں معاونت کریں۔۔۔۔

آج ایم ایس او کی صورت میں دین دار اور محب وطن طلباء کا جو گلشن ہر سو رات کی رانی کی مہک پھیلائے ہوئے ہے یہ قمر الزمان بھائی اور ان کے رفقاء کی شبانہ روز کاوشوں کا ثمر ہے۔۔۔۔ہمیں اس گلشن کو سرسبز وشاداب رکھنے کے لئے ٹھوس بنیادوں پر کام کرنا ہوگا۔۔۔نظریاتی لوگوں کی زندگی نظریے سے مشروط ہے۔۔۔۔ہمیں فخر ہے کہ ہمارا نظریہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے نظریئے کا تسلسل ہے۔۔۔۔اپنے نظریے سے وفا کیجیے۔۔یہی قمر الزمان بھائی کا پیغام ہے۔

قمر تو واقعی قمر تھا

غلام اکبر لاشاری، لاہور

قمر الزمان چوہدری ایک شخص یا شخصیت کا نام نہیں بلکہ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔جن کی روشنی سے لوگ راہ پاتے۔منزل کی جستجو اور تڑپ جنون کی حد تک تھی۔حالاتِ حاضرہ پر گہری نظر تھی۔اللہ نے آپ میں بے پناہ صلاحیتیں ودیعت فرما رکھی تھیں، جو ایک بار ملتا اُن کے ہنس مکھ چہرے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔آپؒ کا مسکراتا اور ہشاش بشاش سنجیدہ چہرہ آج بھی جب سامنے آتا ہے تو دل و دماغ پر ان کے نقوش تازہ ہوجاتے ہیں۔بلا کا حافظہ، قوتِ فیصلہ سے مزین، رمز شناس، بُحران کا مردِ قلندر، طلبہ کا حقیقی ترجمان، پیکرِ صحافت، عزم واستقلال کی تصویر، ملک و ملت کی محبت سے لبریز، اندھیروں میں جگنو، گمراہوں کے لیے راہبر و راہنما، امید کی کرن، حاضر جوابی کا عنوان، نامساعد حالات میں مردِ میدان، فکر کی شائستگی، طلبہ و تنظیمی دوستوں پر شفیق سائبان، شاہراہِ حق کا قائد و راہبر، تکلف و تصنع سے کوسوں دور، اخلاص و وفا کا استعارہ، نابغہ روزگار، حق و صداقت کا علمبردار، مدبر و مفکر، اسلامی اشاعت و ترویج کا جانباز سرخیل، وطن کی نظریاتی وجغرافیائی سرحدوں کا محافظ، مجسمہ علم وعمل، قدردان حاملینِ علومِ نبوت، فکر و آگہی کا مینارہ، خرمنِ باطل پر شرارہ، ہر دلعزیز راہنما، اتحاد و اخوت کا داعی، اخلاص وللّٰہیت سے متصف، شب بیدار و دور اندیش، قابل تقلید نمونہ اگرچہ میرا ہم عصر تھا مگر قمر تو واقعی قمر تھا۔ہماری پہلی ملاقات لاہور میں ایک تقریری مقابلے میں ہوئی جس کا عنوان خلافت تھا (اس مقابلے میں آپ نے پہلی پوزیشن حاصل کی تھی۔) پھر یہ تعلق ایسا استوار ہوا کہ قمر بھائی کی شفقت واپنائیت جو کہ ناقابلِ گفتہ بہ ہے نے اپنے سحر میں لے لیا۔آپ کے ساتھ بیتے شب و روز ایک الگ باب اور داستان ہیں۔ہر ہر لمحہ خبر گیری وحوصلہ اور استقامت کا (بقیہ صفحہ نمبر 15)

آج بھی مرقد پر نور برس رہا!!

امتیاز احمد تارڑ، لاہور

پیشانی کشادہ،، روشن آنکھیں، ابھرے ہوئے مسکراتے رخسار، سفید رنگ، کالے سیاہ سر کے بال، پورے چہرے پر پھیلی سیاہ ڈاڑھی، خانے چوڑے اور مضبوط، مردانہ وار ناک ستواں، مناسب قد، جسم گھنا شجردار، پرسکون مثل دامن کوہسار، لباس میں سادگی، دم گفتگو، دلیل کی گفتار، دم جستجو فرض کی پکار، سطح نظر اسلامی اقدار، اسلامی حقوق کا پاسدار، مفلس وضعدار، تنہا بھی لشکر جرار، استقامت کا کوہسار، اتحاد کا علمبردار، تحریک ناموس صحابہؓ کا سالار، نوید قافلہ بہار، نوجوانوں کیلئے سرمایہ افتخار، اہل دل کیلئے وجہ قرار، طلبہ کے گلے کا ہار، صحابہؓ پر سو جان سے نثار، باوقار، باکردار، عابد شب زندہ دار، یہ مختصر خاکہ ہے قمر الزمان چوہدری کا، جو جوانی میں اپنے والدین، بہن بھائیوں، بیوی بچوں اور دوستوں کو چھوڑ کر اصلی مقام کی جانب چلے گئے، جہاں ہم سب کو جانا ہے۔

وجیہہ، فیاض، مہمان نواز اور لطیف المزاج دوست تھا۔ پروردگار نے زندگی آزمائش کے لیے بنائی ہے۔ جہاں قدم قدم پر آزمائشیں ہیں۔ بڑے ہی صاحب مطالعہ تھے۔ افغانستان، عراق، شام و حجاز پر گہری نظر رکھتے تھے۔ دین کی بڑی غیرت رکھتے، دین پر کسی جانب سے بھی حملہ ہوتا تو یہ بپھر جاتے، مگر تکفیر میں عجلت نہ کرتے۔ حاکمانہ رعب دبدبے سے کورے تھے، نیک نامی سے رہے، دوستوں میں بھی، عوام میں بھی اور اہل خانہ کے ساتھ بھی۔ سب سے عاجزی وانکساری سے جھک کر ملتے، کنبے والوں اور بستی والوں کے ساتھ حسن سلوک کرتے۔ مگر جمال و جلال کے ساتھ زندگی بسر کی۔ ان کے دنیا سے اٹھ جانے کا دکھ صرف خاندان کو ہی نہیں دوستوں کو بھی ہے۔ دنیا باکمال مخلصوں سے خالی ہوتی جا رہی۔ ہر موت اپنے ساتھ دکھ لاتی ہے۔ کچھ ایسے بھی مگر اٹھتے ہیں کہ دنیا خالی نظر آنے لگتی ہے۔

لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے وجود کے بارے میں اختلاف کیا۔ انبیاء کے بھیجے جانے پر بھی۔ ان کی عصمت و پاکبازی پر بھی۔ دنیا میں صرف ایک چیز ہے، جس پر تمام انسانوں کا اتفاق ہے، وہ موت ہے۔ مرنا یقینی ہے۔ کب مرنا ہے؟ یہ کسی کو معلوم نہیں۔ سو فیصد یقین تو ایک لمحے کا بھی نہیں ہے۔ جو سانس اندر گیا، وہ باہر نہ آئے، یہی موت ہے۔ جو دل پیدائش سے اب تک دھڑک رہا ہے، وہ رک جائے، یہی موت ہے اور یہ اتفاق جبری ہے۔ سب انسان اس اتفاق پر مجبور ہیں۔ جانے والا چلا جاتا ہے مگر پیچھے رہ جانے والوں کی زندگیاں، نوحے بن جاتی ہیں، کون ان ماؤں، جوان بیویوں اور معصوم بچوں کے آنسو پونچھتا ہے؟ والدین جوان بیٹوں کی قبروں کا تعویز ہو کے رہ جاتے ہیں۔ انکا دکھ کون بانٹتا ہے؟ اسی دکھ کو لیکر قمر چوہدری کی اہلیہ محترمہ بھی اس کے پیچھے ہی چلی گئی۔

قمر الزمان چودھری سے پہلی ملاقات اقبال ٹاؤن لاہور ایک مدرسے کے تقریری مقابلے میں ہوئی تھی، میں اپنے جامعہ کی طرف سے اس مقابلے میں حصہ لے رہا تھا جبکہ وہ جامعہ مدنیہ کریم پارک کی طرف سے تھے۔ ان کی تقریر کے دوران مجھے احساس ہوا کہ آج میں مقابلہ ہار جاؤں گا۔ کیونکہ انہوں نے جوش خطابت میں ایسے الفاظ ادا کئے کہ میں ششدر رہ گیا۔ رزلٹ آنے پر وہ پہلی پوزیشن پر کھڑے تھے جبکہ میں دوسرے نمبر

پر۔اس کے بعد قمر چوہدری سے کسی نہ کسی نوعیت کا تعلق رہا۔انکے ساتھ گزرے ہوئے شب و روز میرے لئے قیمتی اثاثہ رکھتے ہیں۔تعلیمی فراغت کے بعد برادرم کلیم اللہ بلوچ کے ہمراہ روزنامہ اسلام کے آفس میں باقاعدہ ملازمت شروع کی۔میں نیوز روم میں بیٹھا تھا کہ اچانک باہر جھانکا تو محترم عنایت اللہ فاروقی کے ہمراہ قمر الزمان روزنامہ اسلام کے ڈپٹی ریذیڈنٹ ایڈیٹر رضوان بھائی مرحوم کے کمرے سے باہر نکل رہے تھے۔

میرے استفسار پر بتانے لگے کل سے انشاءاللہ آپ کے ساتھ ہونگا۔میں قمر الزمان کے مومنانہ جلال سے بے حد متاثر تھا۔اس کی شخصیت کا بانکپن دیکھنے والوں کو شاداب اور سننے والوں کو سیراب کر دیتا تھا،اس کی باتوں میں آبشاروں کا ترنم اور گلوں کی خوشبو تھی،ان کی جماعت کی جب بنیاد رکھی گئی تو چودھری صاحب اور فرخ بھائی کے ساتھ وہ اولین افراد میں شامل تھا۔ ان کی سٹوڈنٹ جماعت کا مری میں اجتماع ہوا تو مجھے زور لگایا کہ اس دفعہ آپ لازمی چلیں۔ان کے لہجے میں اتنی کشش تھی کہ میں انکار نہ کر سکا لیکن دفتری معاملات سے نکل نہ پایا۔مجھے ان کے کام سے اختلاف نہیں تھا۔لیکن لنگوٹیا ہونے کی بنا پر انہیں ذرا تنگ کرنے کے لیے ان کے کام میں خواہ مخواہ کیڑے نکالنا شروع ہو جاتا تھا۔لیکن اس کے نورانی چہرے پر کبھی سلوٹیں نہیں پڑیں۔اس کی پیشانی پر بل نہیں آیا۔وہ مجھے دلائل دیکر قائل کر لیتا تھا۔روشن چہرے اور چمکتی آنکھوں والے جوان رعنا کو اب نظریں ڈھونڈیں گی۔23 نومبر 2015 سوموار کے دن 3.38 پر حافظ شفیق کی مجھے کال آئی کہ جناح ہسپتال لاہور میں کسی ڈاکٹر کا بتائیں،قمر الزمان کو ہسپتال لائے ہیں لیکن یہاں پر کوئی پرسان حال نہیں۔ڈاکٹر صاحب کا نمبر دیکر میں مسلسل حافظ شفیق سے رابطے میں تھا۔میرے پوچھنے پر بتانے لگے کہ برادرم عبداللہ،عزیزم فیصل عزیز اور جبکہ محترم عبدالستار اعوان فیملی کیساتھ ہسپتال میں ہیں۔

سرکاری ہسپتالوں میں ڈاکٹروں کے فکرواحساس کے دھارے مختلف ہوتے ہیں۔مریضوں میں گہری تفریق کی جاتی ہے۔کوئی تڑپ تڑپ کر جان دے دیتا ہے۔تو کسی مریض پر ایم ایس سے لیکر سبھی سینئرز کا اجتماع ہوتا ہے۔مریضوں کے لواحقین لاکھ تعاون کرنے کے باوجود ڈاکٹر حضرات کے قلب و ذہن میں کوئی نرم گوشہ پیدا نہیں کر سکتے۔ڈاکٹرز کا ایسا رویہ عوام کے اعتماد کو مجروح کرنے اور ان کے دلوں میں بغض عداوت اور کدورتوں کے بیج بونے کا سبب بنتا ہے۔میں نوائے وقت آفس سے نکل کر ابھی گھر پہنچا ہی تھا کہ شام 9.38 پر حافظ شفیق کی کال آئی کہ قمر الزمان خالق حقیقی سے جا ملے ہیں۔میں ہسپتال پہنچا تو مولانا عبدالجبار سلفی،قمر الزمان کے بھائی عمر کیساتھ کھڑے آنیوالے دوستوں کو دلاسہ دے رہے تھے۔

23 نومبر 2015 اور نومبر 2023 ماہ و سال اس تیزی سے گزرے کہ ہم ادراک ہی نہ کر سکے۔قمر الزمان چودھری کی مرقد پر جا کر کوئی آواز دے کہ اے قمر الزمان چوہدری آپ اور آپ کے دوستوں

لوگوں نے اللہ تعالی کے وجود کے بارے میں اختلاف کیا۔انبیاء کے بھیجے جانے پر بھی۔ان کی عصمت و پاکبازی پر بھی۔دنیا میں صرف ایک چیز ہے،جس پر تمام انسانوں کا اتفاق ہے،وہ موت ہے۔مرنا یقینی ہے۔کب مرنا ہے؟ یہ کسی کو معلوم نہیں۔سو فیصد یقین تو ایک لمحے کا بھی نہیں ہے۔جو سانس اندر گیا،وہ باہر نہ آئے،یہی موت ہے۔جو دل پیدائش سے اب تک دھڑک رہا ہے،وہ رک جائے،یہی موت ہے اور یہ اتفاق جبری ہے۔سب انسان اس اتفاق پر مجبور ہیں۔جانے والا چلا جاتا ہے مگر پیچھے رہ جانے والوں کی زندگیاں،نوحے بن جاتی ہیں،کون ان ماؤں،جوان بیویوں اور معصوم بچوں کے آنسو پونچھتا ہے؟ والدین جوان بیٹوں کی قبروں کا تعویز ہو کے رہ جاتے ہیں۔انکا دکھ کون بانٹتا ہے؟ اسی دکھ کو لیکر قمر چوہدری کی اہلیہ محترمہ بھی اس کے پیچھے ہی چلی گئی۔

نے لاہور میں بیٹھ کر جو پودا لگایا تھا، آج قائد طلبہ سردار مظہر کی سربراہی میں وہ ایک تناور درخت کا روپ دھار چکا ہے۔ اس کی چھاؤں میں لاکھوں طلبا بیٹھے ہیں، آج وہ ایک ملک گیر تنظیم ہے، جس میں شامل لاکھوں طلبہ اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہیں۔

میں 23 نومبر 2015 رات 10:10 منٹ پر جناح ہسپتال میں قمر چوہدری کے بیڈ کے قریب پہنچا تو محبتیں، پیار اور مسکراہٹیں تقسیم کرنیوالا چہرہ ایسے ہی ہشاش بشاش اور تروتازہ تھا۔ بس یوں ہی احساس ہورہا تھا کہ جیسے سویا ہوا ہے، ابھی اٹھ کر چمکتے دانتوں سے مسکراہٹیں بکھیرنا شروع کردیگا۔ قمر الزمان چوہدری کی وفات اپنے ساتھ بہت گہری اداسی لائی۔ شام کے بغیر شام۔ سہ پہر کو جیسے سورج ڈوب جائے۔ ہر چیز فنا ہوتی ہے۔ ہر آدمی نے ایک دن مٹی کی چادر اوڑھنی ہے۔ ازل سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے اور ابد تک ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ مگر جوانی پھر اچانک کی موت کا دکھ بہت گہرا ہوتا ہے۔ وہ ایک محنت کرنیوالا ورکر تھا، اس نے کبھی بھی اپنے آپ کو ایک ناظم اور قائد طلبہ کے حوالے سے متعارف نہیں کروایا۔ جب بھی قائد طلبہ کہہ کر میں مخاطب ہوتا تو پھول جیسی مسکراہٹ سے ٹال کر ورکر کہلانے پر فخر محسوس کرتے۔ وہ ابدی صداقتوں کا امین تھا۔ ایک تنظیم کے ناظم ہونے کے باوجود وہ اپنی محنت سے گھر چلاتا۔ کما کر کھانے پر فخر محسوس کرتا تھا' اس نے نامہربان موسموں میں بھی اپنے کاز اور مشن کو زندہ اور توانا رکھا، وہ آخری وقت تک اپنے اہداف ومقاصد کیلئے سرگرم عمل رہا۔

ایک قادرالکلام صحافی اور سٹوڈنٹ لیڈر ہونے کے باوجود شہرت کی اس میں آرزو نہ رہی، اہلِ فقر کی ایک اور علامت یہ ہے کہ کسی چیز کے وہ مدعی نہیں ہوتے۔ کوئی دعویٰ نہیں رکھتے۔ کبھی اپنا کوئی کارنامہ بیان نہیں کرتے۔ حرفِ تحسین کے طالب نہیں ہوتے۔ لوگ انہیں سادہ لوح سمجھتے ہیں حالانکہ وہی سب سے دانا ہوتے ہیں۔ سلیم الفطرت مگر ایسے کہ ساری زندگی سچائی، سادگی اور صبر میں بتادیتے ہیں۔ ایک سادہ سا آدمی مگر ایسی اخلاقی استواری کہ گا ہے نامور علما بھی اس سے محروم۔ ایسا لگتا تھا کہ براہِ راست اس پہ ستاروں سے نور برساہے۔ سچ کی طرح سادہ اور اجلا آدمی۔ مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے، بے شک اللہ کے نور سے۔ تشہیر اور تحسین سے گریزاں، جس آدمی کو اعلیٰ تر مقصد عزیز ہوتا ہے، ایسی خیرہ کن کامرانیوں پہ اس درجہ انکسار۔ اللہ کی رحمت بے کراں ہے کہ وہ ایسے لوگ پیدا کرتا ہے ورنہ یہ سرزمین دانشوروں اور سیاستدانوں کے ہاتھوں بنجر ہوگئی ہوتی۔ مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے، جی ہاں اللہ کے نور سے۔ اس کی داستان لکھنے کی کوشش کروں گا، اگرچہ کچھ زیادہ نہ لکھ سکوں گا کیونکہ وہ اس کے خواہاں نہ تھے۔ تشہیر اور تحسین سے گریزاں تھے۔ دس برس کی صحبتِ سعید میں جو اس گنوار کی قسمت میں لکھے گئے۔ وہ بڑے تاریخی تھے، غم، فکر اور ہیجان سے پاک۔ ہمیشہ مکالمے پر آمادہ اور دائم مخاصمت سے آزاد۔ اختیار و اقتدار کی آرزو اور فرقہ پرستی کی آلودگی سے پاک۔ ایسے ہی لوگ ہوں گے، بخدا گزری صدیوں میں ایسے ہی لوگ، جنہیں دیکھ کر مشرک مسلمان ہوجایا کرتے تھے۔ اے اللہ! جس دن فوج درفوج میدانِ حشر میں لوگ جمع کردیے جائیں گے۔ اعمال ناموں کی باری آئے گی، نیک اور بد الگ الگ ہونے کا اعلان ہوگا، ان کے دائیں یا بائیں ہاتھ میں تھما دیے جائیں گے۔ امید یہ ہے کہ ان کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں ہوگا۔ انشاءاللہ وہ عرش بریں کے ٹھنڈے سائے میں ہوں گے۔

بقیہ: قمر تو واقعی قمر تھا

درس جس نے مجھے آگے بڑھنے کا حوصلہ بخشا۔ پھر نویدِ سحر میں بار بار لکھنے کا اصرار مجھے تحریر کے میدان میں لانے کا اولین اقدام ہے۔

مجھے سہل ہوگئیں منزلیں وہ ہوا کے رخ بھی بدل گئے*
* تیرا ہاتھ جو ہاتھ میں آ گیا کہ چراغ راہ میں جل گئے*

تنظیمی طور پر بہت حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ آپ کے لگائے ہوئے پودے اب تناور شجر بن چکے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہیکہ جو آپ سے واقف ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں آپ ہمہ جہت شخصیت تھے۔ میرے نزدیک تنظیم کی ارتقا آپ کی فکرِ رسا کی مرہونِ منت ہے۔

بہار یہ جو طلبہ میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انہی کی لگائی ہوئی ہے

زمانے کا چاند

حافظ محمد الیاس علوی

اک چاند جسے ہم رات میں روشنی اور پرانے لوگ رات کے وقت کی تعین کے لیے اک آلہ تصور کرتے تھے۔۔۔۔۔۔۔آج اس چاند کی نہیں بلکہ زمانے کے قمر کی بات کر رہے ہیں۔۔ جسے لوگ قمر الزمان مرحوم کہتے ہیں،طلبہ میں دانائی کی روشنی منتقل کرنیوالے،ایم ایس کا قلب کی حیثیت سے دھڑکنے والا وہ نوجواں بے باکی اور جرآت میں اپنی مثال آپ تھا۔تنظیمی کام کے لیے ایک چلتی پھرتی منظم لائبریری اور کارکنان کے لیے ایک شفیق بھائی اور باپ تھا۔زمانے کا وہ چاند جسے ہم زماں کا قمر کہتے ہیں۔معترضین کے لیے تھی اسکے پاس شمشیرِ محبت اور محبین کے لیے رکھتا تھا سدا وہ تیر مسکراہٹ کے،حرمت رسول کے لیے تھا وہ اک علم دیں اور صحابہ کی عظمت کے جھنڈے لہرانے کے لیے تھا وہ عزیمتوں کے راستے اپنانے والوں کی ابابیل،ملا و مسٹر کی تفریق کے خاتمے لیے تھا وہ ابوالکلام آزاد کا روحانی فرزند،اور استحکام وطن کے لیے وہ کہیں تو میجر عزیز بھٹی شہید کی خاک کے قریب سے اٹھائی جانیوالی خاک کا نمونہ لگتا تھا اور کہیں تو اسے دیکھتا تھا اس تفریق کو مٹانے وہ محوِ سفر ہوتا۔

لاہور یونیورسٹی اور پنجاب یونیورسٹی اور کہیں انہیں ان صداؤں کو لے کر پہنچتے دیکھتا جامعۃ المنظور و جامعۃ اشرفیہ،تنظیمی معاملات چلانے کی طرف التفات کرتا تو دیکھتا کہیں وہ نقیب طلبہ کے لیے جہد مسلسل میں ہیں اور کہیں وہ طلبہ اجتماع کے لیئے سعی بروئے کار لا رہے ہوتے،کہیں ہمدرد ہال کی دادیں اور تالیاں،صدائیں اور گونجیں پکار پکار کر کہہ رہی ہوتیں کہ ہمارے پیچھے جو دست مبارک کارفرما ہے۔۔۔۔وہ زمانے کے قمر کا ہے جسے ہم قمر زماں کہتے ہیں۔

کارکن سے الفت مثلِ قمر و نجوم تھی۔۔۔۔جس طرح ستارے لیتے ہیں روشنی اپنے چاند سے اسی طرح ہم کارکن لیتے رہے روشنی اپنے چاند سے جسے ہم تو زمانے کا قمر کہتے ہیں۔۔۔۔زمانہ انہیں قمر الزمان کہتا ہے۔اس قمر کے کیا کہنے جس نے روشنی لی تو کھوج لگانے والوں سے سے جو تپش اور جلالت سے لبریز تھی۔۔۔اس تپش کو مثل چاند ہمارے قمر نے نرم خوئی اور میٹھی روشنی میں ایسے تبدیل کر دیا۔جو روشنی قابل برداشت نہ تھی۔۔۔۔۔۔۔۔اسکو بکیفیتِ ہاضمہ زمانے کے قمر نے علم کی چاشنی سے گھول گھول کر پلا دیا۔جہاں صدائیں تھیں حق کی صرف دینی حلقات تک ان صداؤں کو مسٹر کے در و دیوار تک پہنچانے میں بنیادوں کا کردار ادا کرنیوالا تھا ہمارا زمانے کا قمر۔بات وطن کی جغرافیائی سرحدوں کے دفاع کی ہوتی اور پڑوسی ممالک کی دراندازی اور دہشت گردی کی ہوتی تو صف اول کا کردار کرتا نظر آتا۔اور بات ملک کی نظریاتی سرحدوں کی ہوتی تو پھر وہ ہر جگہ سراپا احتجاج نظر آتا۔۔۔۔لیکن پھر بھی کبھی اپنے وطن کے امن پر کوئی سمجھوتا نہ کرنے پر بضد رہنے والا جسے ہم تو زمانے کا قمر کہتے ہیں اور لوگ جسے قمر الزمان کے نام سے جانتے ہیں۔

بات جہاں کارکن سے تعلق کی ہوتی۔۔۔۔کسی شخص کو لگتا نہ تھا کہ کوئی مرکزی قائد یا لیڈر ہے بلکہ یوں لگتا تھا کہ یہ ادنی سا کارکن ہے۔لیکن جب تنظیم کے لیے لب کشائی کرتا تو لگتا کہ کوئی لیڈر گویا ہے۔عاجزی اتنی کہ کبھی محسوس نہ ہوا کہ لیڈر ہے اور بردباری اتنی کہ دشمن

شرمندہ ہوجائے۔۔۔۔۔۔۔وہ جسے ہم تو زمانے کا قمر کہتے ہیں۔۔۔۔۔لوگ انہیں قمرالزمان کہتے ہیں۔

ہمدرد اتنا کہ اپنے کارکن کے مصیبت و پریشانی کے وقت میں ہمہ وقت دست شفقت رکھتا۔اور خوشی میں اتنی حوصلہ افزائی کرتا کہ کبھی مشن سے کارکن کے پیچھے ہٹنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔حکمت و دانائی کی چاشنی سے وہ کارکن کو تنظیم کے لیے کندھن بنادیتا۔۔۔۔ایک داعی بنادیتا۔ایک درجن سے زائد ملاقاتوں میں سمجھ نہیں آئی کہ اتنی عجلت کیوں ہے۔۔؟ کیوں سالوں کے کام مہینوں اور مہینوں کے ہفتوں اور ہفتوں کے دنوں میں کرنے کے درپے تھے۔۔۔اب سمجھ آئی کہ وقت مختصر تھا۔۔شاید قدرت چاہتی تھی کہ ان سے اتنے سارے کام لے لیے جائیں۔۔۔تاکہ دنیا یادرکھے۔۔۔جنہیں ہم تو زمانے کا قمر کہتے ہیں اور لوگ انہیں قمرالزمان کہتے ہیں۔انکے دم سے بہار تھی۔۔۔گلستان ایم ایس او میں۔۔۔۔انہوں نے بہت سوں کو مشن کی کلی چڑھا دی۔۔۔مشن کے رنگ میں رنگ دیا۔۔۔وہ اک شخص جو الفتوں کا بحر بے کراں تھا۔۔۔وطن کی امن وآشتی کا اعلان تھا۔۔۔اپنوں کے لیے مثل قمر تھا۔۔۔غیروں کے لیئے مثل شمس تھا۔۔۔عزیمتوں کے راہروں کا بچھڑا ہوا پنچھی۔۔۔۔وہ اقبال مرحوم کا شاہین تھا جسکی پرواز دشمنان اسلام کے لیے محبت کا پیغام تھی۔۔اور صحابہ کرام کے دفاع کے لیے جنکی زبان مثل تیغ تھی۔جسکی کاٹ ظاہری طور پر بے ضرر جبکہ حقیقت میں کاٹ دار تھی۔بس فرق اتنا تھا دشمن اسلام شمشیر سے میدان میں تھا۔اور وہ کمان محبت تھامے ہر اپنے پرائے کو مشن حقہ کی دعوت دے رہا تھا۔۔۔علمی وعملی کاٹ کا قائل تھا۔۔۔گالی وگولی سے فریق مخالف کو سرنگوں کرتا تھا نہ ہی اس طرح کے قائلین کا حمایتی تھا۔جذبہ ایمانی میں وہ اک جماعت تھا۔۔۔۔۔۔۔تبلیغ دین کا وہ ایک مبلغ اور تنظیم میں گویا وہ اک نظام تھا۔۔ ہر اک میں یہ تمام خاصیتیں کہاں ہیں۔۔۔۔۔بس وہی تھا۔۔۔جو خاص تھا۔لگتا یوں ہے کہ گویا انہی کے لیے کہا گیا۔

پرواز ہے دونوں کی اک جہاں میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

یہ وہی تو ہے جسے ہم زمانے کا قمر اور لوگ قمرالزمان کہتے ہیں۔

یہ بہار تھی۔۔۔۔۔۔۔۔بس نومبر کے اوائل میں جہاں خزاں کی انتہا وہیں اس بہار کی بھی خزاں ہوئی

زندگی کی بہار کو اجل نے خزاں بنا دیا
رب ذوالجلال نے اس بہار کو خزاں کردیا

یہ زمانے کا قمر نومبر میں خزاں کی زد میں آ گیا۔۔۔۔۔اجل سے بلاوا آ گیا۔۔اور خالق حقیقی سے جاملا۔۔۔مگر اس نے اتنے ستارے روشن کردیئے جو دشمن کے مٹانے سے نہ مٹ سکتے ہیں نہ مٹ سکیں گے۔۔۔۔۔کیونکہ وہ زمانے کا قمر تھا۔۔۔۔۔۔۔اس کی روشنی اس کا مشن لیے اس کے ستارے سدا جگمگاتے رہیں گے۔۔۔اور مشن کے ساتھ ہمارا زمانے کا چاند سدا زندہ رہیگا۔

وہ ظاہری طور پر نہ سہی لیکن مشن ونظریہ کی صورت میں زندہ رہے گا۔۔۔گویا کہ وہ مشن کے ذریعہ سے زندہ ہمارے ساتھ رہیں گے۔۔۔کیونکہ قمرالزمان نے اپنے ستاروں کو وہ روشنی بخشی ہے جو کم نہیں ہوتی بڑھتی چلی جاتی ہے۔۔۔اور اسی روشنی سے ہم وطن میں اسلام کی کمندیں ڈالیں گے۔نور نہار کی طرح اسلام کی حقیقی تصویر سب پر عیاں ہوگی۔۔۔جس کے خواب دیکھے تھے۔جسکی محنت،جس کے لیے تگ ودو اور جہد مسلسل کررہے تھے۔۔۔پھر ہم یا ہماری آنیوالی نسلیں ان کی لحد پر جا کر کہیں گے جنکو ہم زمانے کا قمر کہتے ہیں۔اور ان کے والدین نے انہیں قمرالزمان سے موسوم کیا۔

کہیں گے کہ

ترستی ہیں نگاہیں پھر سے ایسے نوجوانوں کو
اذانیں جو دیا کرتے تھے تلواروں کی چھاؤں میں

رحمت اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ

صحابہ کرامؓ کا مقام و مرتبہ

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

صحابہؓ کیسے ہی ہوں، مگر تم سے تو اچھے ہی ہوں گے، تم ہوا پر اُڑ لو، آسمان پر پہنچ جاؤ، سو بار مر کر جی لو، مگر تم سے صحابیؓ تو نہیں بنا جا سکے گا تم آخر وہ آنکھ کہاں سے لاؤ گے جس نے جمالِ جہاں آرائے محمد ﷺ کا دیدار کیا؟ وہ کان کہاں سے لاؤ گے جو کلماتِ نبوت ﷺ سے مشرف ہوئے؟ ہاں وہ دل کہاں سے لاؤ گے جو انفاسِ مسیحائی محمدی ﷺ سے زندہ ہوئے؟ وہ دماغ کہاں سے لاؤ گے جو انوارِ مقدس سے منور ہوئے؟ تم وہ ہاتھ کہاں سے لاؤ گے جو ایک بار بشرہ محمدی ﷺ سے مس ہوئے اور ساری عمر اُن کی بوئے عنبریں نہیں گئی؟ تم وہ پاؤں کہاں سے لاؤ گے جو معیتِ محمدی ﷺ میں آبلہ پا ہوئے؟ تم وہ زمان کہاں سے لاؤ گے جب آسمان زمین پر اتر آیا تھا؟ تم وہ مکان کہاں سے لاؤ گے جہاں کونین کی سیادت جلوہ آرا تھی؟ تم وہ محفل کہاں سے لاؤ گے جہاں سعادتِ دارین کی شرابِ طہور کے جام بھر بھر دیئے جاتے اور تشنہ ''کامان محبت''''ھل من مزید'' کا نعرہ مستانہ لگا رہے تھے؟ تم وہ منظر کہاں سے لاؤ گے جو ''کأنی أری اللّٰہ عیاناً'' (گویا کہ میں خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں) کا کیف پیدا کرتا تھا؟ تم وہ مجلس کہاں سے لاؤ گے جہاں ''کأنما علی رؤسنا الطیر'' (گویا ہمارے سروں پر پرندے ہیں) کا سماں بندھ جاتا تھا؟ تم وہ صدر نشینِ تختِ رسالت کہاں سے لاؤ گے جس کی طرف ''ھذا الابیض المتکی'' سے اشارے کئے جاتے تھے؟ تم وہ شمیمِ عنبر کہاں سے لاؤ گے جو دیدارِ محبوب میں خوابِ نیم شبی کو حرام کر دیتی تھی؟ تم وہ ایمان کہاں سے لاؤ گے جو ساری دنیا کو تج کر حاصل کیا جاتا تھا؟ تم وہ اعمال کہاں سے لاؤ گے جو پیمانہ نبوت سے ناپ ناپ کر ادا کیے جاتے تھے؟ تم وہ اخلاق کہاں سے لاؤ گے جو آئینہ محمدی سامنے رکھ کر سنوارے جاتے تھے؟ تم وہ رنگ کہاں سے لاؤ گے جو ''صبغۃ اللّٰہ'' کی بھٹی میں دیا جاتا تھا؟ تم وہ ادائیں کہاں سے لاؤ گے جو دیکھنے والوں کو نیم بسمل بنا دیتی تھیں؟ تم وہ نماز کہاں سے لاؤ گے جس کے امام نبیوں کے امام تھے؟ تم قدوسیوں کی وہ جماعت کیسے بن سکو گے جس کے سردار رسولوں کے سردار تھے؟

تم میرے صحابہؓ کو لاکھ برا کہو، مگر اپنے ضمیر کا دامن جھنجھوڑ کر بتاؤ! اگر ان تمام سعادتوں کے بعد بھی میرے صحابہؓ برے ہیں تو کیا تم ان سے بدتر نہیں ہو؟ اگر وہ تنقید و ملامت کے مستحق ہیں تو کیا تم لعنت وغضب کے مستحق نہیں ہو؟ اگر تم میرے صحابہؓ کو بدنام کرتے ہو تو کیا میرا خدا تمہیں سرِ محشر سب کے سامنے رسوا نہیں کرے گا؟ اگر تم میں انصاف وحیا کی کوئی رمق باقی ہے تو اپنے گریبان میں جھانکو اور میرے صحابہؓ کے بارے میں زبان بند کرو اور اگر تمہارا ضمیر بالکل مسخ ہو چکا ہے تو بھری دنیا یہ فیصلہ کرے گی کہ میرے صحابہؓ پر تنقید کا حق ان کپوتوں کو حاصل ہونا چاہیے؟ (بصائر و عبر)

☆☆☆☆☆

اس جماعت کو جو آنحضرت ﷺ کی 23 سالہ محنت اور فیضانِ تربیت سے تیار ہوئی، لائق اعتماد باور کیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مقدس میں اسی جماعت کے بارے میں بار بار اعلان فرمایا ہے: ''رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ'' یعنی ''اللہ ان سے راضی ہوا

اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔'' یہ حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے دوطرفہ رضامندی کا اعلان ہے۔ اسی اعلان کا اثر ہے کہ عام طور سے اہلِ ایمان جب کسی صحابی کا نام لیتے ہیں تو بے ساختہ ''رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' کے الفاظ ان کی زبان پر جاری ہوجاتے ہیں، حق تعالیٰ شانہ کے اس اعلان رضامندی کے بعد کسی شخص کو، جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہو، صحابہ کرام سے ناراضی کا حق نہیں رہتا۔ اور جو شخص اس کے بعد بھی ناراض ہو، وہ گویا اعلان خداوندی پر ایمان ہی نہیں رکھتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارا دین حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے نازل ہوا ہے، اور چند لائق اعتماد واسطوں سے پہنچا ہے، اور آنحضرت ﷺ کے درمیان اور بعد کی امت کے درمیان سب سے پہلا واسطہ حضرات صحابہ کرام ہیں، اگر وہ لائق اعتماد نہیں تو دین کی کوئی چیز بھی لائق اعتماد نہیں رہتی، لہذا صحابہ کرام کے اعتماد کو مجروح کرنا درحقیقت دین کے اعتماد کو مجروح کرنا ہے۔

☆☆☆☆☆

حق تعالیٰ شانہ نے آنحضرت کو پوری کائنات میں سے منتخب فرمایا، اس لیے آپ زبدہ کائنات ہیں، سید البشر، خیر البشر اور فخر اولادِ آدم ہیں، آپ کی کتاب ''خیر الکتب'' ہے، آپ کی امت ''خیر الامت'' ہے اور آپ کا زمانہ ''خیر القرون'' ہے۔ لازماً آپ کے اصحاب بھی ''خیر الاصحاب'' ہیں، چنانچہ مستدرک حاکم میں بہ سند صحیح آپ کا ارشاد منقول ہے:

''حضرت عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے چن لیا، اور میرے لیے میرے اصحاب کو چن لیا، پس ان میں بعض کو میرے وزیر، میرے مددگار اور میرے سسرالی رشتہ دار بنا دیا، پس جو شخص ان کو برا کہتا ہے اس پر اللہ کی لعنت، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت، قیامت کے دن نہ اس کا کوئی فرض قبول ہوگا نہ نفل۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام اولادِ آدم میں سے چھانٹ کر منتخب فرمایا، اسی طرح لائق ترین افراد کو چھانٹ کر آنحضرت ﷺ کی صحبت کے لیے منتخب فرمایا۔ اس انتخابِ خداوندی کے نتیجہ میں حضرات صحابہ کرام، انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں سے افضل تھے، اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے انہیں ''خیر امت'' کا خطاب دیا۔ پس اگر صحابہ کرام سے بہتر وافضل کوئی اور انسان ہوتے تو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی کی رفاقت اور صحبت کے لیے ان کو منتخب فرماتے، اس لیے صحابہ کرام کی تنقیص صرف صحبت نبوی کی تنقیص نہیں بلکہ اس کے ساتھ حق تعالیٰ شانہ کے انتخاب کی بھی توہین وتنقیص ہے۔

☆☆☆☆☆

وہ آفتاب محمدی، جس کی ضیا پاشیاں آج بھی امت کے عشاق کے دلوں کو گرما اور چمکا رہی ہیں، غور کیجیے کہ جن کے گھروں میں یہ آفتابِ نبوت نور کی کرنیں بکھیر رہا ہوگا، ان کی نورانیت وتابانی کا کیا عالم ہوگا...؟ سبحان اللہ! حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما (سیدنا ابوبکر و عمر) کی خوش بختی وسعادت کا کیا کہنا کہ وہ آج تک روضہ مقدسہ میں خورشید بداماں ہیں، اور قیامت تک اس دولت کبریٰ سے بہرہ اندوز رہیں گے۔ حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما جن کے پہلو میں آج تک آفتاب نبوت درخشاں ہے، اور قیامت تک فروزاں رہے گا، ان کی نورانیت وتابانی کا اندازہ کون کرسکتا ہے...؟ اور یہ سعادت.... جس کے مقابلے میں کونین کی نعمتیں بھی ہیچ ہیں.... ان دونوں بزرگوں کے علاوہ کس فردِ بشر کے حصے میں آئی...؟

حضرات شیخین رضی اللہ عنہما، آنحضرت کے روضہ مطہرہ ومقدسہ میں مدفون ہیں، اور یہ روضہ شریفہ وبقعہ مقدسہ ''رشکِ صد جنت'' ہے، اور حضراتِ شیخین اسی ''رشکِ صد جنت'' میں محوِ استراحت اور آسودہ خواب ہیں۔ اور جنت کی شان یہ ہے کہ جو شخص مرنے کے بعد اس میں ایک بار داخل ہوجائے، اسے وہاں سے نکالا نہیں جاتا، پس جب آنحضرت نے ان اکابر کو مدت العمر اپنی معیت کا شرف عطا فرمایا، اور برزخ میں بھی ان کو اپنے پہلوئے مبارک میں جگہ دے کر بقعہ مبارکہ اور روضہ مقدسہ میں ان کو شرفِ معیت بخشا تو یقین ہے کہ فردائے قیامت اور جنت الفردوس میں بھی ان کو شرفِ معیت نصیب ہوگا، وَلَوْ کَرِهَ الْکَافِرُوْنَ....!

خصوصیات صحابہ علیہم الرضوان

مفتی عبدالرازق کاشمیری

صحابہ کرامؓ کی خصوصیات میں ایک یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے صحابہ کرام کو ایمان واسلام کی لازوال دولت سے مالا مال فرمایا۔ اور سب سے پہلے صحابہؓ کرام کی آنکھوں کو حضور ﷺ کے جمال بے مثال سے روشن ومنور کیا۔ تمام مسلمانوں کا یہ عقیدہ ونظریہ ہے کہ حضور ﷺ کی خواب میں زیارت عظیم تر سعادت ہے، پس صحابہ کرامؓ کی سعادت اور خوش نصیبی کا کیا پوچھنا جو دن رات بیداری کی حالت میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں بار عشق ومحبت سے حضور ﷺ کے جمال وکمال کو دیکھ اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتے تھے (عقائد اسلام کاندھلوی)

(02) اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کرام کو حضور ﷺ کی صحبت اور نصرت کے لیے پسند کیا اور دین اور ملت کی تقویت اور مدد کے لیے اُن کو منتخب کیا۔ آیت کریمہ! والزمھم کلمتہ التقویٰ وکانوا احق بھا واھلھا وکان اللہ بکل شیء علیماً (الفتح 26) اور اللہ نے صحابہؓ کرام کے لیے تقویٰ اور پرہیزگاری کی خصلت کو لازم کر دیا ایسے طور پر کہ تقویٰ اور پرہیزگاری ان سے جدا نہ ہوسکے اور صحابہؓ کرام ہی تقویٰ اور پرہیزگاری کے سب سے زیادہ مستحق تھے اور وہی سب سے زیادہ اس کے اہل تھے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے کہ کون کس کا اہل ہے۔ آیت کریمہ! سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ سے بڑھ کر کوئی متقی اور پرہیزگار نہیں اور صحابہ کرامؓ ایسے متقی اور پرہیزگار تھے کہ تقویٰ اُن کے لیے لازم اور غیر منفک (جدا نہ ہونے والا) تھا

(3) صحابہ کرامؓ کے سامنے قرآن کریم کا نزول ہوا اور جن حالات و واقعات میں آیات قرآنیہ کا نزول ہوا وہ تمام کے تمام صحابہ کرامؓ کے سامنے پیش آئے۔ اس لیے پوری امت میں سب سے زیادہ قرآن کے سمجھنے والے صحابہ کرامؓ ہیں۔ صحابہ کرامؓ اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے احکام کے اولین مخاطب ہیں جن کو اللہ نے اپنے خطاب سے نوازا

> صحابہ کرامؓ کے سامنے قرآن کریم کا نزول ہوا اور جن حالات و واقعات میں آیات قرآنیہ کا نزول ہوا وہ تمام کے تمام صحابہ کرامؓ کے سامنے پیش آئے۔ اس لیے پوری امت میں سب سے زیادہ قرآن کے سمجھنے والے صحابہ کرامؓ ہیں۔ صحابہ کرامؓ اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے احکام کے اولین مخاطب ہیں جن کو اللہ نے اپنے خطاب سے نوازا۔ صحابہ کرامؓ نے قرآن شریف اور دیگر احکام شریعت کو بلاواسطہ حضور ﷺ کی زبان سے سنا۔ جس طرح حضور ﷺ کی بشارتیں توریت اور انجیل میں مذکور ہیں اسی طرح صحابہ کرامؓ کے اوصاف اور کمالات بھی توریت اور انجیل میں مذکور ہیں

(4) صحابہ کرامؓ نے قرآن شریف اور دیگر احکام شریعت کو بلاواسطہ حضور ﷺ کی زبان سے سنا۔ صحابہ کرامؓ نے خدا کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں کو پانی کی طرح بہا دیا، اور اللہ کے رسول ﷺ کی محبت میں عزیز واقارب، اولاد و والدین سب کو چھوڑ دیا اور آپ ﷺ کی محبت میں وطن عزیز مکہ مکرمہ سے ہجرت کی اور عرب وعجم سے لڑائی مول لی اور آپ ﷺ کی نصرت وحمایت میں

عزیز واقارب سے جنگ کی اور اس مقابلے میں باپ اور بیٹے اور چچا اور ماموں، کسی کی پرواہ نہیں کی۔

(5) قرآن کریم اور احادیث نبویہ ﷺ اور احکامِ شریعت صحابہ کرامؓ کے ذریعے امت تک پہنچے اگر صحابہ کرامؓ قرآن کریم جمع نہ کرتے اور احادیث واحکامِ شریعت کی روایت نہ کرتے تو امت کو نہ قرآن کا علم ہوتا، نہ حدیث کا اور نہ آپ ﷺ کی شریعت اور نہ آپ ﷺ کی نبوت کا علم ہوتا۔ صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ اور امت کے درمیان واسطہ ہیں۔ صحابہ کرامؓ ہی نے دنیا میں اسلام کا جھنڈا بلند کیا اور کتاب وسنت کی نشرواشاعت میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد جو بھی مسلمان ہوا وہ صحابہ کرامؓ ہی کو دیکھ کر مسلمان ہوا اور صحابہ کرامؓ کا اس قدر شیدائی اور عاشق بنا کہ حضور ﷺ کی زیارت کے بعد صحابہ کرامؓ ہی کی زیارت کو سعادتِ کبریٰ نعمتِ عظمیٰ سمجھنے لگے اور جس طرح صحابی ہونا ایک منقبت تھی اسی طرح تابعی ہونا بھی ایک قابلِ فخر منقبت ہوگئی۔

(06) قرآنِ کریم میں اہلِ ایمان کی جس قدر بھی صفاتِ فاضلہ کا ذکر آیا ہے مثلاً: مؤمنین، مسلمین، متقین، صادقین، صدیقین، شہداء، صالحین، قانتین، صابرین، شاکرین، تائبین، عابدین، راکعین، ساجدین، آمرین بالمعروف، ناہین عن المنک، حافظون لحدود اللہ، محسنی، متوکلین، مہتدین اور مفلحین وغیرہ وغیرہ۔ ان صفاتِ فاضلہ کا اول مصداق صحابہ کرامؓ ہیں باقی امت کے علماء، صلحاء، اولیاء اور عباد وزھاد صحابہؓ کی تبعیت میں ان اوصاف کے مصداق ہیں۔

(07) جس طرح حضور ﷺ کی بشارتیں توریت اور انجیل میں مذکور ہیں النبیّ الامیّ الذی یجدونہ مکتوباً عندھم فی التوراتہ والانجیل '' (اعراف ۱۵۷) اسی طرح صحابہ کرامؓ کے اوصاف اور کمالات بھی توریت اور انجیل میں مذکور ہیں جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔ ''ذالک مثلھم فی التوراتہ ومثلھم فی الانجیل'' (الفتح ۲۹)

بقیہ: نظریات کی جنگ

افسوس! اُن کا پیمانہ عمر لبریز ہو چکا تھا۔ ایسے لوگوں کی زندگی ایک خاص طرز رکھتی ہے جس سانچے میں بھی ڈھلیں ہمیشہ ابھرے ہوئے ملتے ہیں۔ یہ کسی غیر کے نقش پا نہیں ڈھونڈتے بلکہ لوگ ان کے نقش پا کی تلاش میں رہتے ہیں۔ آپ نے غلبہ اسلام کے لیئے اپنی زندگی وقف کر چھوڑی تھی۔ آپ علامہ اقبال رحمہ اللہ کے خواب کے ترجمان تھے۔ آپ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، صرف شخص نہیں بلکہ کئی اشخاص کے دماغوں کا مجموعہ تھے۔ نوجوناوں کی اصلاح کا بیڑا آپ نے اٹھایا تھا۔ آپ اور آپ کے ہم سفر دوستوں کے اخلاص کی بدولت تھوڑی ہی مدت میں آپ کا لگایا گیا بیج ایک تناور درخت بن کر مسلم سٹوڈنٹس آرگنائزیشن کے نام سے جگمگا رہا ہے۔ اللہ رب العزت آپ رحمہ اللہ کو اپنی شایان شان اجر عظیم عطا فرمائے اور آپ رحمہ اللہ کے لگاۓ گے گلشن کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ (آمین)

(08) بارگاہ خداوندی سے صحابہؓ کرام کو دائمی رضاء اور خوشنودی کا پروانہ ملا "رضی اللہ عنہم ورضوعنہ" سے قرآن بھرا پڑا ہے صحابہؓ کرام کے لیے بلا شرط کے رضاء وخوشنودی کا اعلان ہوا اور بعد میں آنے والوں کے لیے یہ شرط لگی کہ اگر بعد میں آنے والے اخلاص کے ساتھ صحابہؓ کا اتباع کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا۔

(09) **خلاصۂ کلام یہ** کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد امت میں صحابہؓ کرام کا مرتبہ ہے اور جس طرح رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا نمونہ ہے اسی طرح صحابہؓ کرام کی اتباع نبی کریم ﷺ کی اطاعت کا نمونہ ہے، لہٰذا جس طرح اسوہ نبوی اور سنتِ پیغمبری کو طریقہ خداوندی سے جدا نہیں کیا جاسکتا اسی طرح اسوہ صحابہؓ کو اسوہ نبوی سے جدا نہیں کیا جاسکتا خدا تعالیٰ کا دین اِنہیں دو واسطوں سے پہنچا ہے ایک نبی اکرم ﷺ دوسرے صحابہؓ کرام۔ جو شخص صحابہؓ کو نہیں مانتا وہ یہ بتلائے کہ دین اس کے پاس کس طرح پہنچا؟

عالمی یومِ عربی اور ہماری ذمہ داریاں

حکیم شاکر فاروقی

عربی کا شمار دنیا کی قدیم ترین زبانوں میں ہوتا ہے۔حتی کہ اس کے حامل ابتدائی لوگوں کی نسلوں کا وجود بھی اس دنیا میں نہیں ہے۔ یعرب بن قحطان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ سب سے پہلا عربی دان تھا۔قوم عاد،قوم ثمود اور اہلِ یمن عربی بولتے تھے۔ اہل مکہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام نے سب سے پہلے عربی زبان اپنے ننھیال بنو جرہم سے سیکھی۔ اہلِ عرب نے اس کی حفاظت کا بڑا اہتمام کیا۔ بڑے بڑے دیوان عربی زبان میں لکھے گئے اور خطباء و شعراء نے ہر صنف میں طبع آزمائی کی۔حتی کہ اہل عرب اپنے علاوہ سب کو "عجم" یعنی گونگا کہنے لگے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان کی بجائے تقوی کو معیار بنایا۔اس کے ساتھ ساتھ عربی کی عمومی فضیلت بھی ظاہر فرمائی کیوں کہ شریعت اسلامی کے تمام ماخذ عربی میں تھے۔فرمایا "عربی سیکھو کیوں کہ میں عربی ہوں، قرآن مجید بھی عربی میں ہے اور اہل جنت کی زبان بھی عربی ہوگی۔" سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا "عربی زبان میں پختگی پیدا کرو، یہ تمہارے ذہن اور عقل میں اضافہ کرے گی۔" سیدنا علی المرتضی اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہما اپنے بچوں کو عربی غلط بولنے پر مارتے تھے۔امام سیوطیؒ اور امام ابن تیمیہؒ کے ہاں عربی زبان کا سیکھنا فرض ہے۔ اہل یورپ کی ڈکشنریوں میں 2500 سے زیادہ الفاظ عربی کے موجود ہیں۔ 28 حروفِ تہجی پر مشتمل اس زبان کو "لغة الضاد" (ضاد کی زبان) اور "اُمّ الالسنه" (زبانوں کی ماں) بھی کہا جاتا ہے۔

عربی 45 کروڑ عربوں کی مادری جب کہ ڈیڑھ ارب مسلمانوں کی مذہبی زبان ہے۔اقوام متحدہ اور 27 ممالک میں اسے سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے۔ 57 ممالک میں اچھی طرح بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ 18 دسمبر 1973ء کو اسے اقوام متحدہ کی سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا اور 19 دسمبر 2010 کو یہ فیصلہ کیا گیا کہ ہر سال اٹھارہ دسمبر کو "عربی زبان کا عالمی دن" منایا جائے گا۔سن 2012ء سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ یہ دن منانے کا مقصد مختلف خطوں کے باسیوں کو عربی تہذیب وتمدن اور معاشرہ وثقافت سے روشناس کرانا ہے۔تاکہ عرب وعجم، خاص طور پر مغرب ومشرق وسطی کے درمیان جھجک اور غلط فہمیوں کی دیوار گرائی جا سکے۔دونوں تہذیبیں ایک دوسرے سے واقف ہوں اور علوم وفنون کا تبادلہ ممکن ہو سکے۔

وطن عزیز میں عربی زبان وادب اور اس کے تکلم کے فروغ پر کوئی قابل قدر کام نہیں ہو سکا ہے۔حالاں کہ یہاں کے ستانوے فی

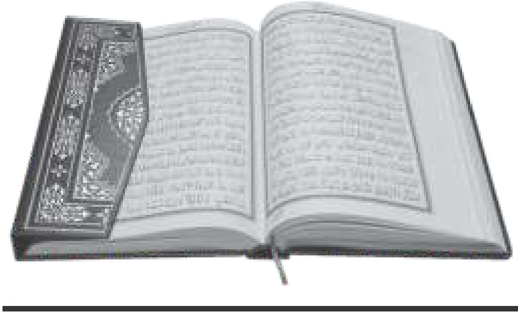

صد باشندے مسلمان ہیں اور عبادات کی ادائی کی صورت میں ان کا واسطہ عربی زبان سے رہتا ہے۔ایک عام مسلمان اپنی ساٹھ سالہ زندگی میں روزانہ پانچ مرتبہ سنی جانے والی آذان کے ترجمہ تک سے ناواقف رہتا ہے۔عربی کی خدمت کے حوالے سے سب سے نمایاں نام مدارس دینیہ کا ہے لیکن وہاں بھی چند ایک مصادر اور گرائمر (صرف و نحو) کے رٹنے کا نام عربی رکھا گیا ہے۔جس سے طلبہ پڑھ کر سمجھنے کے قابل تو ہو جاتے ہیں لیکن سن کر سمجھنے اور بولنے سے قاصر رہتے ہیں۔جدید عربی ادب کو سمجھنا ان کے لیے ایک مشکل امر ہوتا ہے۔حالاں کہ اردو میں چالیس فی صد سے زیادہ الفاظ عربی سے مستعار ہیں۔اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ یہاں اس کا طریقہ تدریس بحیثیت زبان بہت قدیم ہے۔دورِ جدید میں کوئی بھی زبان سکھانے کے لیے تین چیزیں ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتی ہیں: ''پڑھنا، سننا اور بولنا''۔ نیز جدید آلات مثلاً پروجیکٹر، کمپیوٹر اور ملٹی میڈیا کا استعمال نہ ہونے کے برابر ہے۔مدارس دینیہ میں پڑھنے پر تو زور دیا جاتا ہے لیکن سننے اور بولنے کی مشق نہیں کی جاتی۔

پاکستان میں آئینی طور پر عربی کو تحفظ حاصل ہے۔آرٹیکل نمبر 31، شق 2 میں ہے ''عربی زبان کی تعلیم و تدریس، فروغ اور اشاعت کی حوصلہ افزائی کی جائے۔'' حکومت کو چاہیے کہ اس شق کے نفاذ کے لیے میٹرک تک عربی کو نصاب کا حصہ بنایا جائے۔عوام میں عربی کی اہمیت کو اجاگر کیا جائے۔شائقین کو شارٹ کورسز کروائے جائیں اور ورک شاپس منعقد کی جائیں۔قرآن و حدیث سے صحیح استفادہ کے لیے قرآن مجید و صحاح ستہ کا ترجمہ نصاب کا حصہ بنایا جائے۔عربی زبان میں خطابت و مقابلہ مضمون نویسی منعقد کیے جائیں۔عرب اساتذہ کو وطنِ عزیز میں آنے کی ترغیب دی جائے۔اور یہاں کے ذہین طلبہ کو عرب یونیورسٹیوں میں سکالرشپ پر بھیجا جائے۔بچوں کے ساتھ ساتھ تعلیم بالغاں کا اہتمام بھی کیا جائے اور انہیں قرآنی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے۔اسی طرح عرب ممالک میں جانے والے حضرات کو ضروری عربی سکھائی جائے۔عربی صحافتی جرائد، جدید ادب پر مشتمل کتب اور مختلف علوم و فنون سے عوام کو متعارف کروایا جائے۔عربی سے اردو اور اردو سے عربی تراجم کو رواج دیا جائے تاکہ مشرق وسطی کے عوام کے حالات سے درست طور پر آگاہی ہو۔اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہم اپنے دین کی تشریح صحیح طور پر سمجھنے کے ساتھ ساتھ فرقہ واریت سے بھی نجات حاصل کر سکیں گے۔کیوں کہ عوام جب دین کے اصل ماٰخذ تک رسائی حاصل کر لیں گے تو کوئی ایک فتنے اپنی موت آپ مر جائیں گے۔نیز ہم اپنے مفید تجربات اہل عرب تک پہنچا سکیں گے۔نیلسن منڈیلا نے کہا تھا ''اگر آپ کسی شخص سے اس زبان میں بات کریں جسے وہ محض سمجھتا ہو، وہ صرف اس کے دماغ تک جائے گی۔لیکن آپ اس سے اُس ہی کی زبان میں بات کریں گے تو وہ اس کے دل میں اتر جائے گی۔''

بقیہ: اور کارواں بنتا گیا

☆09 ربیع الاول حیدر آباد سندھ میں چند اوباشوں کی جانب سے خلیفہ دوم سسر رسول سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی انتہائی بدترین گستاخی کی گئی جس کے خلاف ملک بھر کے مختلف تعلیمی اداروں کے سٹوڈنٹس نے بھرپور احتجاج کیا اور اضلاع میں ''**عمر رضی اللہ عنہ واک**'' کیا گیا۔جن میں اسلام آباد، راولپنڈی، لاہور، کراچی، مانسہرہ، نارووال، سیالکوٹ، حیدر آباد، میرپور خاص، سکھر، مظفر آباد اور جہلم ویلی سرفہرست ہیں۔

اسرائیل کی طرف سے فلسطین پر ایک مرتبہ پھر ظلم و تشدد کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔دنیا بھر کے مسلمان اس پر سراپا احتجاج ہیں اور صدا بلند کر رہے ہیں۔مسلم سٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان نے بھی مرکزی ناظم اعلیٰ برادر سردار مظہر کے حکم پر اپنے فلسطینی بھائیوں سے اظہار یکجہتی کے لیے اور اقوام متحدہ جابرانہ پالیسی کے خلاف مختلف اضلاع میں احتجاجی ریلیاں نکالیں اور مظاہرے کیے۔جن میں راولپنڈی، اسلام آباد، لاہور، کراچی رفہرست ہیں۔

نظریات کی جنگ

حسن عتیق، میرپورخاص

موجودہ دور میں انسانیت کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ مختلف فنون کے ماہرین نے انسان، کائنات اور شعبہ ہائے زندگی کے بارے میں اسے نظریات پیش کئے جو خالصتاً مادیت، حیوانیت، جنسیت، لذت، خودغرضی، خدا فراموشی اور قوم پرستی جیسے تصورات پر مبنی ہیں۔ مغربی قوتوں اور این جی اوز نے ان نظریات کو بطور اصول اپنایا۔ کوئی بھی ریاست (جماعت) بغیر نصب العین کے نہیں ہوتی۔ دوصدی قبل انہی نظریات کو اصول بنا کر تعلیم و تربیت، معیشت و معاشرت میں مادیت کو نصب العین قرار دیکر کام کیا جا رہا ہے۔ عقل کو نفسی مقاصد کے لیے استعمال کرنا، حیاوشرم، رواداری، خیرونیکی کو پس پشت ڈال کر آگے بڑھنے کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ گردانا گیا۔

مادیت پرستی پر مشتمل ان نظریات نے مغرب سے وحی کے زیراثر پاکیزہ اخلاقی قدریں، انسانیت نوازی، ہمدردی، محبت اور پاکیزہ فکر کو ختم کر دیا جس کے نتیجہ میں مغرب و یورپ میں خاندانی ومعاشرتی نظام درہم برہم ہوگیا اور ان کے نظریات ہی نے مشرق اور مسلم دنیا کے نظروفکر کو بری طرح متاثر کیا اور مادہ پرستی کی طرف سوچنے پر لگا دیا۔ کوئی بھی قوم اپنے مذہب کے مطابق نظام تعلیم وتربیت کی تعمیر میں دیر کرے گی تو اعتقادی اور اخلاقی اعتبار سے دن بدن کمزور ہوتی چلی جائے گی۔

عالم انسانی میں مختلف قومیں الگ الگ نظریات رکھتی ہیں اور ہرقوم کا دوسری قوم سے مقابلہ ہے، نظریات کی جنگ میں جو قوم ہارتی ہے وہ غلام بنالی جاتی ہے دور حاضر میں ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ ہم نظریات کے حوالے سے کتنی محنت کو کر رہے ہیں۔ انسانی زندگی کی یہ عجب خاصیت ہے کہ اس کی ساری سرگرمیاں نصب العین کے گرد گھومتی ہیں۔ اگر نوجوان نسل کو صحیح نصب العین نہ دیا گیا تو ان کی زندگی کشمکش اور انتشار سے دوچار ہوگی، نوجوانوں کی تعلیم وتربیت اور اطلاعات ونشریات میں تضاد ہے ان کے موروثی خیالات کچھ اور ہیں اور ماحول کے تقاضے کچھ اور ہیں۔

ان حالات میں میں ضروری تھا تعلیمی اداروں میں پڑھنے والے نوجوانوں (سٹوڈنٹس) کو ایک ایسا جامع نصب العین دیا جائے جس کے ساتھ افق سے صبح صادق طلوع ہو، انسانیت کو نئی زندگی ملے نوجوانوں کو یقین، روحانی قوت اور بلند نظری ملے جس سے اس تمدن کا دامن بالکل خالی ہے۔

اسی سوچ وفکر کو لے کر چند نوجوان سر جوڑ کر بیٹھے، ان محسنین و مفکرین نے بڑھتی ہوئی مغربی یلغار کو بھی بخوبی دیکھا اور ان کے رنگ میں رنگتے اپنے مستقبل کے معماروں کو بھی دیکھا، انتہائی تفکر کے بعد آئین نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نظر دوڑا کر ایک ایسا نصب العین قوم کو دیا کہ جس پر چل کر قومی وملکی معیشت اور معاشرت کے اعتبار سے دوسری قوموں پر فوقیت حاصل کی جاسکتی ہے۔ وہ نصب العین "**غلبہ اسلام واستحکام پاکستان**" ہے۔

انہیں امت کے محسنوں میں ایک نام چوہدری قمرالزمان مرحوم رحمہ اللہ کا ہے۔ جب یہ نام سنا تو موصوف کے نام کے ساتھ رحمہ اللہ بھی سننے میں آیا۔ (بقیہ صفحہ نمبر 21)

علم روشنی ہے

توصیف خالد

علم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے، جس کی بدولت انسان کو ملائکہ مقربین پر فضیلت دی گئی۔ علم ایک نور ہے جو جہالت کی پستیوں سے نکالتا ہے، اور ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ علم میں کثرت کے باجود وحدت نظر آتی ہے، اور وہ سچائی اور حقیقت کی تلاش میں علمی ذوق کو پروان چڑھاتا ہے۔

تاریخ انسانی کا ایک عظیم الشان واقعہ، جس نے دراصل انسانیت کے رخ کو یکسر بدل کر رکھ دیا، انسان کے سوچنے اور غور و فکر کرنے کے زاویے تبدیل ہو کر رہ گئے، اور تاریخ کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا، ایک بے آب و گیاہ خشک علاقے میں موجود ایک پہاڑ پر جو نہ بلند تھا اور نہ ہی کوئی بظاہر سبزہ نظر آتا تھا۔

قریباً چھ صدیوں کے بعد آسمانوں کا زمین سے بذریعہ وحی الٰہی رابطہ قائم ہوتا ہے۔ بارانِ رحمت کا پہلا چھینٹا اور وحی کی پہلی قسط کا آغاز "اقرأ" سے ہوا۔ خالق کائنات کی طرف سے نبی امّی اور امیین کی جماعت کو پہلا حکم یہ ملا: "پڑھیے اپنے رب کے نام سے۔" اشارہ غیبی ہوا کہ اب آنے والا دور علم کا دور ہے، اور یہ امت علم دوست، علم شناس ہوگی۔ اب وحشت و جہالت کا دور اپنے اختتام کو پہنچا۔

"باسم ربک الذی خلق" رب کے نام سے علم و حکمت کے دور کا آغاز کیجیے۔ دراصل دورِ جہالت کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ علم کا رشتہ رب سے کٹ چکا تھا، اس لیے علم بجائے روشنی کے "ظلمات بعضها فوق بعض" کا مصداق بن چکا تھا۔ شاہراہِ علم پر چلنے والے قدم منزل مقصود سے بے خبر بھٹک رہے تھے۔ علم چونکہ خدا کی دَین ہے، صحیح علم کا حصول "رہبرِ کامل" کے بغیر ممکن ہی نہیں تھا، اس لیے آغازِ وحی میں علم کو رب سے جوڑ دیا گیا۔ تا کہ اسی رہبر کامل کی رہنمائی میں انسان، کائنات کے رموز و اسرار پر واقفیت حاصل کرے، اور بے اختیار پکار اٹھے: فتبارک اللّٰہ احسن الخالقین۔

خالق لم یزل نے تکوینی طور پر جب انسان کو منصب خلافت و نیابت سے سرفراز کرنے کا ارادہ کیا، تو ملائکہ مقربین کی ایک جماعت نے انسان کے مقابلے میں اپنی عبادت اور تسبیح و تحمید کو بطور دلیل پیش کیا؛ "نحن نسبح بحمدک و نقدس لک" تو انسان کی برتری کا اظہار علم سے ہوا، اس لیے کہ خلافت کا مستحق بننے کے لیے صرف عبادت کافی نہیں بلکہ "علم" اس کا رکن لازم ہے۔

تعلیم کا اصل مقصد سیرت سازی، اخلاقی شعور اور سماجی خیر کا احساس پیدا کرنا ہے۔ اگر اس سوچ و فکر کو دل و دماغ میں بٹھا کر تعلیم و تعلم کا سلسلہ ہو تو وہ انسانیت کے لیے باعثِ رحمت و برکت ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت جو چیز اپنے مقصد سے ہٹتی ہے، رہبر کامل کا دامن چھوڑ دیتی ہے، وہ انسانیت کے لیے وبالِ جان بن جاتی ہے۔ وہ رحمت کے بجائے زحمت بن جاتی ہے، انسانیت کی نمو و بڑھوتری رک جاتی ہے، ایسا علم جو خالق کی رہنمائی کے بغیر حاصل ہوا انسانیت کا گلا گھونٹ دینے کے مرادف ہے۔ اس کی بہترین مثال سمندر میں سفر کرنے والے چند نوجوانوں اور ملّاح کا آپس

میں مکالمہ ہے، ان نوجوانوں نے اپنے علوم پر ناز کرتے ہوئے جاہل ملّاح کا مذاق اڑایا: میاں! تم نے سائنس، کیمسٹری، فلکیات، طبعیات وغیرہ کے علوم میں سے کچھ حاصل نہ کیا، اور اپنی آدھی عمر ضائع کر دی۔ ملاح نے یہ سب کچھ سنا اور خاموش رہا۔ خدا کی قدرت کہ کچھ لمحوں کے بعد دریا میں طوفان کے اثرات نظر آنے شروع ہوئے، تو ملّاح تعلیم یافتہ نوجوانوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: کیا تم نے تیراکی بھی سیکھی؟ جواب نفی میں آیا۔ ملّاح نے کہا: گرچہ میں نے ان علوم کے ابھی تک نام نہیں سنے، لیکن اس وقت جو علم مفید اور ضروری ہے یعنی تیراکی وہ میں نے حاصل کیا ہوا ہے، اب میں تو تیر کر بچ جاؤں گا، لیکن تم نے یہ علم حاصل نہ کیا، گویا کہ تم نے اپنی پوری عمر ضائع کر دی۔

دور حاضر میں انسان کا حال ان نوجوانوں سے مختلف نہیں ہے، جس نے کائنات کے سربستہ ہائے رازوں کا انکشاف کیا، خلاؤں میں سفر کرتے ہوئے چاند پر قدم رکھ دیا، انوکھی اور منفرد ایجادات کیں، لیکن افسوس صد افسوس عقلِ انسانی کا دامن نافع علوم سے بے بہرہ رہا، اور وہ اپنے خالق و مالک کو پہچان نہ سکا۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور نبوت کی ضرورت و اہمیت کے متعلق لکھتے ہیں: ”مغرب کی بے راہ رویوں، خامیوں اور نارسائیوں کا سب سے بڑا اور بنیادی سبب ”نور نبوت سے محرومی“ ہے۔ نبوت ہی وہ چیز ہے جو انسان کو ظن و تخمین سے نکال کر یقین تک پہنچاتی ہے، اور مغرب اپنی تمام تر ترقیات اور تمام فتوحات کے باوجود اس پورے سفر میں نور نبوت سے محروم رہا۔“

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ علم نعمت خداوندی ہے۔ نعمت کا شکر یہ ہے کہ اسے خالق کی نافرمانی میں استعمال نہ کیا جائے۔ باقی جو علم کا جو راستہ بھی اختیار کریں چاہے دینی علوم ہو یا دنیاوی، مشرقی علوم ہو یا مغربیت کا لیبل لگے ہوئے ہوں۔ اپنی استطاعت اور دلچسپی کو سامنے رکھتے ہوئے حاصل کریں، لیکن علم کا مقصد صحیح رکھا جائے، تو انسان در بدر کی ٹھوکریں کھانے سے بچ سکتا ہے۔

بعض سادات خوش شکل کیوں نہیں ہوتے؟؟

امام محمد غزالی رحمہ اللہ

کچھ لوگ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے اہل بیت کرام یعنی سادات تو ہمیشہ خوش شکل اور خوب صورت ہوا کرتے ہیں، جب کہ بعض سادات کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ خوش شکل نہیں ہوتے یا ان میں وہ اوصاف کریمہ ہمیں نظر نہیں آتے جو سادات کا خاصہ ہیں۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ:

”ایک معتبر شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ خلیفہ ابو جعفر منصور نے بہت سادات علویہ کو شہید کروایا، چنانچہ بقیہ سادات یمن کی جانب ہجرت کر گئے۔ جب مامون بادشاہ ہوا تو اس نے اہل بیت سے محبت اختیار کی اور انہیں تلاش کرنا شروع کیا۔ معلوم ہوا کہ بہت سے سادات بنی فاطمہ یمن میں ہیں۔ مامون نے انہیں بلانے کو قاصد روانہ کیے۔ جب ان سادات کو خبر ہوئی تو انہوں نے باہم مشورہ کر کے یہ بات قرار دی کہ ”ہم لوگ بذاتِ خود تو نہیں جاتے، بلکہ ہمارے وہ غلام جو شکل و شمائل میں ہم سے مناسبت رکھتے ہیں، انہیں اپنے نام سے بھیج دیتے ہیں۔“ پھر انہوں نے ایسا ہی کیا۔ کیونکہ مامون کی طرف سے سادات موصوفین مطمئن نہ تھے۔ الغرض! جب یہ سادات جو دراصل غلام تھے، مامون کے پاس پہنچے تو اس نے ان کی بہت خاطر کی۔ یہ لوگ سادات ہی مشہور رہے اور انہوں نے شادیاں کیں اور اولاد بھی اُن کی سادات کہلانے لگی۔ اسی سبب سے جب تم کسی سید کو بدصورت، بدخلق یا بد دماغ دیکھو تو جان لو کہ یہ انہی غلام زادوں میں سے ہے۔ کیونکہ سادات خاندان عالی شان ایسا نہیں ہے جس میں کمینوں کی گنجائش ہو سکے۔ یہی مطلب ہے حضور علیہ السلام کے اس قول کا کہ ہم پاک گھرانے کے لوگ ہیں، نہ ہم خود فسق و فجور کرتے ہیں نہ ہمارے ساتھ کیا جاتا ہے۔“ (مجموعہ رسائل امام غزالیؒ، جلد اول)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں عورتوں کا مقام

صغریٰ یامین سحرؔ، لاہور

اسلام سے قبل عورت کا مقام و مرتبہ نہایت پست تھا۔ انھیں حقیر گردانا جاتا تھا۔ یہ بہت مظلوم تھی۔ معاشرتی اور سماجی عزت و احترام سے محروم تھی۔ تمام پیدا شدہ برائیوں کا سبب اس صنف نازک کو سمجھا جاتا اور اس وجہ سے اسے قابل نفرت تصور کیا جاتا تھا۔ اہل عرب کے عورتوں کے ساتھ اس ناروا سلوک اور بدترین رویے کو بیان کرتے ہوئے اللہ سبحانہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُونَ. (النحل) ”اور وہ اللہ کے لیے وہ کچھ (یعنی بیٹیاں) ٹھہراتے ہیں جسے وہ خود ناپسند کرتے ہیں۔“ کفار مکہ کا بدترین عقیدہ یہ تھا کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ دوسری آیت میں ہے: وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ الْبَنَاتِ سُبْحَانَهُ وَلَهُم مَّا يَشْتَهُونَ O (النحل)

”اور یہ لوگ خدا کے لیے تو بیٹیاں تجویز کرتے ہیں (حالاں کہ) وہ ان سے پاک ہے اور اپنے لیے وہ جو چاہیں (یعنی بیٹے)۔“

کفر و ضلالت کی گمراہی میں ڈوبے ہوئے یہ لوگ اس عقیدہ پر مضبوطی سے کاربند تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، جب کہ اُنھیں خود بیٹیاں پسند نہ تھیں بلکہ بیٹے پسند تھے۔ اسلام نے عورت کو اعلیٰ مقام و مرتبہ پر فائز کیا۔ جہالت کے گھٹاٹوپ اندھیرے سے نکال کر اسلام کے نور سے منور کر دیا۔ مردوں کو اسے کے عزت و احترام کی تلقین کی۔ مرد و عورت کو ایک دوسرے کے لیے راحت و سکون کا ذریعہ بنا کر ایسے خاندانی نظام کی بنیاد رکھی، جس میں بقائے انسانی کا راز مضمر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”جو کوئی نیک عمل کرے (خواہ) مرد ہو یا عورت جبکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے، اور انھیں ضرور ان کا اجر (بھی) عطا فرمائیں گے ان اچھے اعمال کے عوض جو وہ انجام دیتے تھے“۔ (النحل، 97:16)

اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا اور پاکیزہ زندگی دنیا و آخرت میں عطا کیے جانے کی خوشخبری کو عمل صالحہ کے ساتھ مشروط کیا، جس طرح دوسرے مقام پر عمل صالحہ کو جنت کے داخلے اور رزقِ کثیر کے ساتھ مشروط کیا، ارشاد خداوندی ہے: ”جس نے برائی کی تو اسے بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر صرف اسی قدر، اور جس نے نیکی کی، خواہ مرد ہو یا عورت اور مومن بھی ہو تو وہی لوگ جنّت میں داخل ہوں گے انھیں وہاں بے حساب رِزق دیا جائے گا۔“ (سورۃ المومن، 40:40) اسی طرح ارشاد باری ہے: ”پھر ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرما لی (اور فرمایا) یقیناً میں تم میں سے کسی محنت والے کی مزدوری ضائع نہیں کرتا خواہ مرد ہو یا عورت“۔ (آل عمران، 195:3)

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۚ إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ

”(اے پیغمبر) اللہ نے اس عورت کی بات سن لی ہے جو تم سے اپنے شوہر کے بارے میں بحث کر رہی ہے، اور اللہ سے فریاد کرتی جاتی ہے۔ اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا۔ یقیناً اللہ سب کچھ سننے دیکھنے والا ہے۔“ (المجادلہ)

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت خولہ ایک خاتون تھیں جو حضرت اوس بن صامت کے نکاح میں تھیں جو بوڑھے ہو چکے تھے۔ ایک مرتبہ

انھوں نے اپنی اہلیہ سے یہ کہہ دیا کہ ”تم میرے لیے میری ماں کی پشت کی طرح ہو (یعنی میں نے تم کو اپنے اوپر ماں کی پشت کی طرح حرام کرلیا ہے)۔“ جب کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ جملہ کہہ دے تو اسے ”ظہار“ کہتے ہیں۔ اسلام سے پہلے ظہار کے نتیجے میں میاں بیوی ہمیشہ کے لیے جدا ہوجایا کرتے تھے۔ پھر ان کے ملاپ کا کوئی راستہ نہیں رہتا تھا۔ اگرچہ حضرت اوس بن صامت یہ جملہ جذبات میں آکر کہہ تو گئے تھے، لیکن بعد میں شرمندہ ہوئے تو یہ خاتون پریشان ہوکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ ”اس صورت حال کا کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”اس سلسلے میں ابھی میرے پاس کوئی حکم نہیں آیا اور یہ شبہ ظاہر فرمایا کہ شاید تم اپنے شوہر کے لیے حرام ہوچکی ہو۔“ اس پر خاتون نے بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ کہا کہ ”میرے شوہر نے مجھ سے طلاق کا کوئی لفظ تو نہیں کہا۔“ ان کے اسی بار بار کہنے کو آیت میں ”بحث کرنے“ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے اللہ تعالیٰ سے فریاد شروع کردی کہ ”یا اللہ میں آپ سے فریاد کرتی ہوں کہ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں جو ضائع ہوجائیں گے۔“ پھر آسمان کی طرف سر اٹھا کر بار بار کہتی ہی رہیں کہ ”یا اللہ! میں آپ سے فریاد کرتی ہوں۔“ ابھی وہ یہ فریاد کر ہی رہی تھیں کہ یہ آیات نازل ہوگئیں جن میں ظہار کا حکم اور اس سے رجوع کرنے کا طریقہ بتلایا گیا۔

اسی لیے صحابہ کرام خواتین کی بہت عزت کرتے اور انھیں مقام و مرتبہ سے نوازتے۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مابین جب حضرت عبدالرحمن بن عوف استصواب عام کروا رہے تھے۔ آپ نے مردوں کی طرح شانہ بشانہ عورتوں کو بھی رائے طلب کرنے میں شریک رکھا۔ ایک مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ کہیں جا رہے تھے راستہ میں خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات ہوگئی۔ وہ وہیں حضرت عمر کو نصیحت کرنے لگیں کہ ”عمر! ایک زمانہ تھا جب میں نے تم کو عکاظ کے میلہ میں دیکھا تھا کہ تم بچوں کو ڈنڈا لیے ڈراتے دھمکاتے پھرتے تھے۔ اس وقت تم

خبرِ غم

گزشتہ دنوں سابق معاون ناظم مسلم سٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان برادر شہزاد عباسی کے والد محترم اور سابق ناظم ایس او (کے پی کے) برادر نصیر احمد کی والدہ محترمہ اس دارفانی سے کوچ کر گئیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے تمام لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

منجانب: مسلم سٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان

بہت چھوٹے تھے اور اس کم سنی کی وجہ سے لوگ تم کو عمیر کہہ پکارتے تھے۔ اس کے بعد بہت جلد تم جوان ہوگئے اور لوگ تم کو عمر کہنے لگے اس پر بھی کچھ زیادہ عرصہ گزرنے نہیں پایا کہ اب تم امیر المومنین کہلائے جانے لگے ہو۔ سوچو! خدا نے تمھیں کہاں سے کہاں پہنچایا اور رعایا کے ساتھ اپنی فطری سختی روا نہ رکھو، بلکہ رعایا کے معاملہ میں خدا سے ڈرتے رہو۔ یہ بات ذہن نشین کرلو کہ جس شخص کو خدا کے عذاب کا خوف رکھے ہوگا، وہ قیامت کو دُور نہیں سمجھ سکتا۔ اور جسے موت کا کھٹکا لگا ہو، وہ لاابالی زندگی نہیں گزار سکتا۔ بلکہ اسے نیکیوں کے ہاتھ سے چھوٹ جانے کا ہر وقت خدشہ رہے گا۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس وقت جارود عبدی بھی تھے انھوں نے خولہ رضی اللہ عنہا سے کہا تم نے تو امیر المومنین کو ضرورت سے زیادہ نصیحت شروع کردی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں ٹوکا اور کہا ”انھیں کہنے دو، کیا تمھیں نہیں معلوم، یہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ (جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل کردیا تھا۔ (الاستیعاب لابن عبدالبر تذکرہ خولہ بنت ثعلبہ) ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”مہر کی مقدار کم رکھو۔“ تو ایک عورت نے تردید کرتے ہوئے کہا ”آپ کو اس کی تبلیغ کا حق نہیں ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ ”اگر تم اپنی عورتوں کو مہر میں ایک ڈھیر مال بھی دے دو تو اس سے ایک حبہ بھی نہ لو۔“ اس سے معلوم ہوا کہ مہر کی کوئی حد نہیں ہے۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا: ”ایک عورت نے عمر سے بحث کی اور غالب رہی۔“ (فتح الباری، جلد ۹ ص ۱۶۱)

اب دیکھیے! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رعب و دبدبہ مسلّم تھا۔ آپ کا نام سن کر نہ صرف انسان بلکہ جنات و شیاطین بھی کانپنے لگتے تھے۔ لیکن مسلمان خواتین انھیں بھی برسرعام نہ صرف نصیحت کر سکتی تھیں بلکہ بہ وقت ضرورت ڈانٹ بھی دیتی تھیں اور صحابہ اس بات کا بالکل بھی برا نہیں مانتے تھے۔ البتہ ان کی دینی تعلیم و تربیت سے غافل بھی نہ ہوتے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ والوں کو ایک خط میں لکھا کہ ''اپنی بیویوں کو سورہ نور کی تعلیم دو۔'' (کہ کہیں گھر کے کام کاج میں مشغولیت کی بنا پر وہ بنیادی ضروری تعلیم سے محروم نہ رہ جائیں۔ اور سورۃ النور کا حکم اس لیے دیا کیونکہ اس سورت میں خواتین سے متعلق اکثر ضروری مسائل کا ذکر موجود ہے۔)

آپ کے ادوار میں خواتین آزادی سے کاروبار اور لین دین کرتی تھیں۔ انھیں روکنے ٹوکنے کی کسی کو اجازت نہ تھی۔ جیسے حضرت اسماء بنت مخرمہ رضی اللہ عنہا یمن سے عطر منگوا کر بیچتی تھیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی صنعت و حرفت سے واقف تھیں۔ اس کے ذریعہ اپنے خاوند اور بچوں کے اخراجات پورے کرتی تھیں۔ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: میں ایک کاریگر عورت ہوں؛ چیزیں تیار کر کے فروخت کرتی ہوں۔ اس طرح میں تو کما سکتی ہوں، لیکن میرے شوہر بچوں کا کوئی ذریعہ آمدنی نہیں ہے۔ اس لیے ان کے پاس کچھ نہیں ہے اور دریافت کیا کہ کیا وہ ان پر خرچ کر سکتی ہیں؟'' آپ ﷺ نے جواب دیا: ''ہاں! تمھیں اس کا اجر ملے گا۔'' (الاصابہ في تمیز الصحابہ

آپ کے ادوار میں خواتین آزادی سے کاروبار اور لین دین کرتی تھیں۔ انھیں روکنے ٹوکنے کی کسی کو اجازت نہ تھی۔ جیسے حضرت اسماء بنت مخرمہ رضی اللہ عنہا یمن سے عطر منگوا کر بیچتی تھیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی صنعت و حرفت سے واقف تھیں۔ اس کے ذریعہ اپنے خاوند اور بچوں کے اخراجات پورے کرتی تھیں۔
صحابہ کرام کسی مطلقہ یا بیوہ سے شادی کرنے میں ہچکچاہٹ اور کراہت سے کام نہ لیتے تھے۔ اگر کسی ضرورت مند عورت کو دیکھتے تو فوراً اس کا سہارا بن جاتے۔

اسی طرح صحابہ کرام اگر کسی خاتون میں اچھی بات دیکھتے تو تعریف کرنے میں کنجوسی نہ کرتے۔ جیسے آج کل کے بعض مرد اپنی بیوی کی شرعی تعریف کرنا بھی اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرہ بنت طبیخ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اپنی لونڈی کے ساتھ بازار جا کر مچھلی خریدی اور اسے جھولے میں رکھا۔ لیکن چونکہ جھولا چھوٹا تھا، اس لیے مچھلی کا سر اور دم باہر نکلی ہوئی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا تو دیکھ کر پوچھا ''کتنے کی خریدی ہے؟ یہ تو بہت بڑی بھی ہے اور نفیس بھی۔ اس سے گھر کے سب لوگ سیر ہو کر کھا سکتے ہیں۔''

(طبقات ابن سعد، الاستیعاب في اسماء الاصحاب تذکرہ ربیع بنت معوذ)

صحابہ کرام کسی مطلقہ یا بیوہ سے شادی کرنے میں ہچکچاہٹ اور کراہت سے کام نہ لیتے تھے۔ اگر کسی ضرورت مند عورت کو دیکھتے تو فوراً اس کا سہارا بن جاتے۔ مثلاً سیدہ اسماء بنت عمیس کی پہلی شادی حضرت علی کے بھائی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ کے بعد حضرت علی نے ان سے نکاح کیا۔

حضرت علی کی صاحبزادی ام کلثوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیاہی گئیں۔ حضرت عمر شہید ہو گئے تو عون بن جعفر رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح ہوا۔ عون کی وفات کے بعد ان کے بھائی عبد اللہ نے ان سے نکاح کر لیا۔ (طبقات ابن سعد کی طبقات

صحابہ کرام کے سامنے کسی خاتون کی حق تلفی ہو رہی ہوتی تھی تو وہ حکمت و بصیرت کے ساتھ معاملہ سلجھانے اور اُسے حق لے کر دینے کی کوشش کرتے مثلاً ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ حضرت ابوالدرداء سے ملنے گئے۔ دیکھا کہ ان کی بیوی زیب و زینت سے خالی اور پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس ہیں۔ پوچھا "خیر تو ہے؟" انھوں نے جواب دیا: "آپ کے بھائی ابوالدرداء کو دنیا سے کیا تعلق؟ انھیں عبادت ہی سے فرصت نہیں ملتی کہ ہمارا خیال کریں۔" اتنے میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے روبرو کھانا پیش کرتے ہوئے معذرت کی کہ "میں روزہ سے ہوں، اس لیے آپ کا ساتھ نہیں دے سکتا۔" حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا "جب تک آپ نہیں کھائیں گے، میں بھی نہیں کھاؤں گا۔" چنانچہ بالآخر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے روزہ توڑ دیا اور کھانے میں شریک ہو گئے۔

جب رات ہوئی تو انھوں نے نماز کی تیاری شروع کر دی۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا "یہ آرام کا وقت ہے، آرام کیجیے۔" کچھ دیر بعد ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نماز کے لیے اٹھ بیٹھے۔ حضرت سلمان نے کہا "نہیں! ابھی نہیں۔" جب رات کا آخری حصہ ہوا تو خود ہی جگایا اور دونوں نے مل کر نماز پڑھی۔ اس کے بعد حضرت سلمان فارسی نے حضرت ابو الدرداء سے کہا "تم پر تمھارے رب کا بھی حق ہے اور بیوی، بچوں اور نفس کا بھی حق ہے۔ لہٰذا ہر حق کو ادا کرنے کی کوشش کرو۔ ایسا نہ ہو کہ ایک حق کی ادائیگی کی فکر دوسرے حقوق سے غافل کر دے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی تائید کی اور فرمایا "سلمان نے سچ کہا ہے۔" یعنی خدا کے حقوق کو نظر انداز کرنے والا جس طرح مجرم اور گناہ گار ہے اسی طرح ازدواجی حقوق سے غفلت اور کوتاہی بھی ایک ایسا جرم ہے، جس پر خدا کے دربار میں باز پرس ہوگی۔ (مسلم)

غرض صحابہ کرام آج سے چودہ سو سال قبل عورتوں کے جن حقوق سے واقف

مسدس شاکر

حکیم شاکر فاروقی

مقامات آہ و بکا سے گزر   بقا چاہیے تو فنا سے گزر
نصیحت، فضیحت، خطا سے گزر   شعور و پرکھ کی فضا سے گزر
تجھے تجربہ کی کسوٹی ملے
ثقافت، تمدن کی روٹی ملے

گلستاں کے عالی شجر چھوڑ دے   وہ کرنوں میں ڈوبے نگر چھوڑ دے
خسارے کے عادی ہنر چھوڑ دے   جو غفلت میں اجڑی سحر چھوڑ دے
عزائم سے منزل ملے گی تبھی
خودی کی حقیقت کھلے گی تبھی

تفکر کی عادت کو بیدار کر   تصنع سے باطن کو بیزار کر
طبیعت میں نیکی کے اطوار کر   تو خود کو زمانے کا معمار کر
اثاثہ توکل کا رہبر رہے
تعلق خدا سے برابر رہے

بھکاری کا کاسہ جھکے در بدر   ہو مٹی کی کٹیا یا پختہ ہو گھر
اُدھر چاہے گھومے یا جائے اِدھر   غرض پُن سے ہے اُس کو بس اِس قدر
نگر میں صدائیں لگاتا ہے وہ
دھنی بن کے قسمت جگاتا ہے وہ

مہذب لٹیروں سے بچ کر چلو   لبادے میں سنت کے بچ کر چلو
لہو میں شجاعت کو رچ کر چلو   نفاذ شریعت کو سچ کر چلو
بہشتوں کی رونق تمہارے لیے
خدا کی یہ رحمت تمہارے لیے

تھے، ہمارا بزعم خود پڑھا لکھا اور مغرب زدہ لبرل طبقہ آج بھی ان کی گرد کو نہیں پہنچ سکتا۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء

۞۞۞

عاجزی ہی بندگی ہے

عبدالمعید زبیر

دین اسلام اک مکمل ضابطہ حیات ہے، جس میں دین و دنیا کے تمام مسائل کا حل موجود ہے۔ علمی، عملی، روحانی اور جسمانی ہر چیز میں سبقت لے جانے کا طریقہ موجود ہے۔ اسی میں انسان کی روحانی ترقی اور معراج کا بھی ذکر کیا گیا ہے، جسے تصوف کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ تصوف اسلام کا ایک مکمل باب ہے، جو سیکھنے اور سیکھانے سے تعلق رکھتا ہے۔ آج کے اس فرسودہ دور میں اس کی اہمیت مزید بڑھ گئی ہے۔ تصوف میں جس چیز کا حصول مقصود ہوتا ہے وہ ہے عاجزی یا بندگی، کہ انسان سب کچھ ہونے کے باوجود خود کو کچھ نہ سمجھے۔ گویا خود کو مٹا دے، دوسروں کو اپنے سے اچھا سمجھے، اپنے سے بہتر جانے۔ جب یہ درجہ کسی کو حاصل ہو جائے تو گویا اس بندے کو انسانیت کی معراج حاصل ہو گئی ہے۔ تمام امتوں میں افضل امت کے افضل لوگ یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو سب کچھ تھے۔ جن کی گواہی خدا اللہ کا کلام دیتا ہے۔ جو اپنے قبیلوں کے بڑے بڑے سردار تھے۔ لیکن جب اسلام میں داخل ہوئے تو خود کو ادنی سا گناہ گار امتی سمجھتے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا صحابی جس کے لیے آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ لو کان بعدی نبی لکان عمر کہ میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا، جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اللہ تعالیٰ سے ہاتھ اٹھا کر مانگ رہے ہیں، جس کی وجہ سے اس امت پر کئی احسانات ہوئے۔ وہ بھی راز دار نبوت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھ رہے ہوتے ہیں کہ حذیفہ مجھے بس اتنا بتا دو کہ میرا نام ان منافقین میں تو نہیں، جن کے نام آپ علیہ السلام نے آپ کو بتائے۔ یہی اصل بندگی ہے۔ یہی انسانیت کی معراج ہے کہ اتنا بلند درجہ ہونے کے باوجود ڈر رہے ہیں کہ کہیں مجھے منافقین میں تو شامل نہیں کیا۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ جو مشہور اللہ تعالیٰ کے ولی گزرے ہیں۔ ان کے بارے میں بزرگوں نے واقعہ نقل کیا ہے کہ ان کی زندگی کا ایک واقعہ ایسا ہوا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا بہت قرب عطاء فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے علاقے میں بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط سالی کا خدشہ ہونے لگا۔ جانور مرنے لگے، انسانوں کی جانوں کو لالے پڑنے لگے۔ بدحالی راج کرنے لگی۔ حضرت بایزید رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے حضور ہاتھ اٹھائے نزول رحمت کی دعا کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے کشف کے ذریعے ان تک بات پہنچائی کہ آپ کی بستی میں ایک گناہ گار بندہ ہے، جس کی وجہ سے میں بارش نہیں برسا رہا۔ انہیں جیسے ہی اس بات کا علم ہوتو فوراً اپنی چادر اٹھائی اور علاقے سے نکل گئے کہ میں ہی سب سے زیادہ گناہ گار ہوں۔ میری ہی وجہ سے رحمت نہیں برس رہی، حالانکہ آپ بہت بڑے نیک اور متقی انسان، اللہ کے ولی تھے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ اسی وجہ سے اللہ تعالی نے انہیں مزید اپنا قرب بھی عطا کیا اور بستی والوں پر رحمت بھی برسا دی۔ کہ نیک اور متقی ہونے کے باوجود خود کو گناہ گار سمجھ رہا ہے۔ یہ وہ چیز ہے جسے تصوف کی انتہاء کہتے ہیں کہ انسان سب کچھ ہونے کے باوجود خود کو کچھ نہ سمجھے۔ دوسروں کا خود سے بہتر اور اچھا سمجھے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی دعا مانگی، جس کا مفہوم ہے: ''اے اللہ مجھے میری نظروں میں چھوٹا اور لوگوں کی نظروں میں بڑا بنا دے۔'' آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہم ایک نماز پڑھ لیں تو دوسروں پر تنقید کرنا شروع کر دیتے ہیں، ایک روزہ رکھ لیں تو دوسروں پر فتوے کسنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایک دن تہجد پڑھ لیں تو دوسروں کو حقیر سمجھنا شروع کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ ہر روز تہجد کے لیے اٹھتا تھا۔ اک دن جب بیدار ہوا تو والد صاحب سے عرض کیا کہ یہ قبولیت کا وقت ہے، اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا وقت ہے۔ مگر لوگ کیسے بے فکر ہو کر اس وقت سو رہے ہوتے ہیں۔ والد صاحب ناراض ہوئے اور عرض کیا کہ کل سے آپ بھی تہجد نہیں پڑھو گے۔ آپ نے تہجد پڑھ کر کونسا کمال کر دیا جو آج دوسروں کو کوسنا شروع کر دیا۔ اس عبادت سے بہتر ہے کہ کل سے آپ بھی لوگوں کی طرح سوتے رہنا۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ وہ دن اور آج کا دن میں نے کبھی دوبارہ کسی کے لیے ایسا کہا اور نہ سوچا۔ اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اخلاص اور نیت دیکھی جاتی ہے۔ پھر اسی پر فیصلہ مرتب ہوتا ہے۔ ذرا خود میں جھانکیں! کہ آج ہم کس مقام کھڑے ہیں، کس حد تک گر چکے ہیں، کبھی سیاسی بنیادوں پر، کبھی مذہبی بنیادوں پر اور کبھی ذاتی اختلاف کی بنیاد پر دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ آیئے! انسانیت کی طرف قدم بڑھایئے۔ پہلے اچھے انسان بنتے ہیں پھر مسلمان بنو یا کافر، مولوی بنو یا ملحد، مذہب پسند بنو یا سیکولر، شدت پسند بنو یا روشن خیال۔

اور کارواں بنتا گیا

ادارہ

☆ملک بھر میں 06 ستمبر یوم دفاع پاکستان کو ''دفاع وطن'' اور 07 ستمبر یوم ختم نبوت کو ''شعور ختم نبوت'' کے عنوان سے منایا گیا۔ اسی مناسبت سے مختلف اضلاع میں ''دفاع پاکستان وشعور ختم نبوت سیمینار'' کا انعقاد کیا گیا۔

☆ایم ایس او چیچہ وطنی کے زیر اہتمام 06 ستمبر بروز بدھ شام 06 بجے جناح بلدیہ ہال چیچہ وطنی میں ''دفاع پاکستان طلبہ سیمینار'' کا انعقاد کیا گیا۔ جس میں مرکزی ناظم اعلیٰ ایم ایس او پاکستان برادر سردار مظہر، ناظم تربیتی امور برادر عبدالرؤف، ناظم ایم ایس او ساؤتھ پنجاب برادر علی حیدر، مفتی شہر مفتی محمد ساجد اور ضلعی امیر جماعت اسلامی فیض میراں گجر کے ساتھ ساتھ دیگر مذہبی، سیاسی اور سماجی شخصیات نے خطاب کیا۔

☆ایم ایس او ملتان کے زیر اہتمام 07 ستمبر بروز جمعرات ''دفاع پاکستان طلبہ سیمینار'' کا اہتمام پریس کلب ملتان میں کیا گیا۔ سیمینار کے مہمان خصوصی ناظم اعلیٰ ایم ایس او پاکستان برادر سردار مظہر تھے۔ ان کے علاوہ صوبائی وضلعی ذمہ داران کے ساتھ ساتھ دیگر رہنماؤں نے خطاب کیا۔

☆ماہ مقدس ربیع الاول کو ''عشق مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے عنوان سے منایا گیا۔ ملک بھر میں اسی عنوان سے تربیتی نشستیں، دروس قرآن اور چھوٹے بڑے سیمینارز کا انعقاد کیا گیا۔ صوبائی سطح پر دو بڑے سیمینار منعقد ہوئے۔ پہلا سیمینار 21 ستمبر بروز جمعرات آرٹس کونسل راولپنڈی میں ''رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طلبہ سیمینار کے نام سے منعقد ہوا۔ جس میں ناظم اعلیٰ ایم ایس او پاکستان برادر سردار مظہر، سابق وفاقی وزیر سردار یوسف، ناظم وفاق المدارس العربیہ پنجاب مولانا قاضی عبدالرشید، چیئرمین پاکستان مسلم پارٹی رانا ذیشان حیدر، سابق سینٹر زمرد خان اور سیاسی، سماجی، مذہبی شخصیات کے ساتھ ساتھ مختلف برادر طلبہ تنظیموں کے زمہ داران و عہدیداران نے خطاب کیا۔

☆اور دوسرا پروگرام مسلم سٹوڈنٹس آرگنائزیشن کراچی ڈویژن کے زیر اہتمام ماہ ربیع الاول کی مناسبت سے ''عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طلبہ سیمینار'' 5 اکتوبر بروز جمعرات شام 6 بجے نیشنل میوزیم آف پاکستان برنس روڈ میں منعقد ہوا پروگرام کا باقاعدہ آغاز بعد نماز مغرب یونٹ سیدنا علی المرتضیٰ کے ناظم بھائی مزمل کی تلاوت سے ہوا۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض معاون ناظم تربیتی امور ایم ایس او کراچی برادر ابراہیم معاویہ اور سابق ناظم سندھ برادر فیضان شہزاد سرانجام دے رہے تھے۔ تلاوت کے بعد ضلع کورنگی کے معاون اطلاعات احمد معاویہ نے نعت پڑھی اسکے بعد مہمانوں کی تقاریر کا سلسلہ شروع ہوا جن میں طلبہ تنظیموں کے ذمہ داران، علماء کرام، مذہبی، سیاسی اور سماجی شخصیات نے گفتگو کی۔ بالخصوص مذہبی سکالر مفتی عبدالرحمن مدنی، مفتی فضل سبحان، جے یو آئی کے رہنما مفتی حماد مدنی، مولانا محی الدین شاہ، سابق صوبائی وزیر مذہبی امور جناب ڈاکٹر عبدالحسیب، سابق قومی کرکٹر عاشق رسول جناب خالد لطیف، صدر مسلم طلبہ محاذ عبید عباسی، ناظم سندھ سندھ برادر عمر فاروق عباسی، ناظم کراچی برادر عنایت اللہ فاروقی، عمر فاروق مرکزی ناظم اطلاعات ایم ایس او پاکستان اور آخر میں خصوصی خطاب قائد طلبہ مرکزی ناظم اعلیٰ برادر سردار مظہر کا ہوا۔ سیمینار میں کالج یونیورسٹی اور مدارس عربیہ کے طلبہ نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ (بقیہ صفحہ نمبر 23)